إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط

میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک بھی میرا بس چلے

ڈاکٹر عبدالخالق ایم بی بی ایس

مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور

ترتیب

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے

حقیقت ذِکر

ڈاکٹر عبدالخالق ایم بی بی ایس

مکتبہ دارالاصلاح بھائی پھیرو ضلع قصور

اصلاحی انقلاب

کے

اصول وطریق

حرفِ اوّل

☆...☆
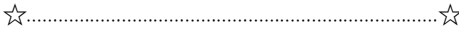
ضلع شیخوپورہ کی شمالی سرحد پر دریائے راوی کے کنارے کھوکھروں کی بستی میرووال مغل بادشاہوں کے زمانے میں آباد ہوئی۔ وہاں ایک فوجی چوکی اور اسلحہ سازی کا کارخانہ بھی بنایا گیا۔ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے جدامجد مغل خاندان کے محمد بخش اس کارخانے میں ملازمت کے لیے میروال میں آباد ہوئے۔

آپ کے والد ماجد حاجی محمد ابراہیم ولد نوردین سناروں کا کام کرتے تھے قیام پاکستان سے پہلے یہ بستی ایک شہر کی طرح آباد تھی جس میں دوسو دوکانیں، مڈل سکول اور سول ڈسپنسری تھی۔ اب یہ بستی آثار قدیمہ بن چکی ہے۔ بمشکل سو خاندان آباد ہیں۔ اکثریت ترک سکونت کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۳۹ء میں میروال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملحقہ مسجد اور مڈل سکول سے حاصل کی۔ میٹرک بدوملہی اور ایف ایس سی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے پاس کی۔ M.B.B.S نشتر میڈیکل کالج ملتان سے کیا۔ M.B.B.S کے بعد ۱۱ سال گورنمنٹ ملازمت کی اور ۱۹۷۴ء سے بھائی پھیرو ضلع قصور میں مستقل رہائش پذیر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی عمر نو ماہ تھی کہ آپ کے والد حاجی محمد ابراہیم نے آپ کو ''نذر اللہ'' دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور سید بہادر علی شاہ ولد سید سلطان بخش مرحوم کو گود دے دیا۔ سید بہادر علی شاہ بے اولاد تھے۔ انہوں نے اس بچے کو بڑے پیار اور خلوص سے پالا اور زندگی کی آخری سانس تک ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی تعلیم و تربیت میں لگے رہے ان کو تصوف کے اسباق کے علاوہ دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ سید مرحوم کی بھرپور کوششوں کا فیض ہے کہ راوی کنارے کی جاہل بستیوں میں سے آپ پہلے شخص تھے جو ڈاکٹر بنے۔

سید بہادر علی شاہ مرحوم گیلانی خاندان سے تھے اور قادری سلسلے کے روحانی پیشوا تھے۔ سید صاحب بہت متقی اور مخلص انسان تھے۔ ان کی صحبت کی وجہ سے بچپن ہی سے ڈاکٹر صاحب کو یہ شعور حاصل ہو گیا کہ وہ دین کی خدمت کے لیے وقف ہیں۔ اس لیے ان میں دینی علم اور تصوف کے اسباق میں ذوق وشوق پیدا ہوا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے تصوف کی کتابیں بھی پڑھیں، عربی زبان، قرآن کا ترجمہ اور درس و تدریس میں بھی دسترس حاصل کی۔ یوں سن بلوغت تک پہنچتے پہنچتے آپ دین کی خدمت کے لیے وقف ہو چکے تھے۔

حاجی ابراہیم بچے کو دین کے لیے وقف کرنے کے بعد فارغ نہیں ہوئے بلکہ بچے کی پرورش اور نگرانی میں باقاعدہ شریک رہے۔ باپ کی حیثیت سے بچے کی تعلیم پر اُٹھنے والے زیادہ تر اخراجات خود برداشت

کیے اور بچے کی تعلیم وتربیت اور اخلاق سنوارنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ باپ بیٹے میں محبت وشفقت کا سلسلہ ساری عمر جاری رہا۔ حاجی محمد ابراہیم اور سید بہادر علی شاہ چونکہ ایک ہی بستی میں رہتے تھے۔ اس لیے دونوں گھروں کی خواتین، بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کے درمیان محبت وشفقت کا سلسلہ جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کا بچپن محبت کرنے والے لوگوں میں گزرا اس لیے آپ کی طبیعت میں بھی شفقت اور نرمی پائی جاتی ہے اور رشتہ داروں اور بستی والوں سے محبت کے تعلقات ابھی تک استوار ہیں۔

سید بہادر علی شاہ کے علاوہ آپ نے ۱۹۷۴ء میں علاقہ چھچھ کے مولانا عبدالغفور قادری سکنہ دریا شریف نزد حضرو ضلع اٹک کی بیعت کی ان کی وجہ سے ذکر واذکار اور قرآنی علوم سے شغف پیدا ہوا۔

۱۹۸۸ء میں آپ نے مولانا غلام ربانی چشتی صابری سکنہ چشت نگر ضلع ملتان کی بیعت کی مولانا موصوف نے آپ کو خلافت بھی عطا کی۔

۱۹۸۸ء میں واصف علی واصف کی صحبت اختیار کی اور ان کی جمعرات کی مجلسوں میں شریک رہے۔ تصوف کے اسباق میں واصف علی واصف کا فیض بھی شامل ہے۔ واصف علی واصف کی وفات تک یہ سلسلہ ملاقات جاری رہا۔

۱۹۶۰ء میں جب نشتر میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے تو ڈاکٹر کفایت اللہ، فیصل آباد (ناظم اسلامی جمعیت طلبہ نشتر میڈیکل کالج) سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کلاس فیلو تھے۔ ان کے ذریعے مولانا مودودیؒ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ چونکہ آپ پر تصوف کا غلبہ تھا، اس لیے مولانا مودودیؒ کو خط میں لکھا کہ میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ مولاناؒ نے جواب دیا میں بیعت نہیں کرتا۔ آپ کتابیں پڑھیں جب آپ کے شعور میں اضافہ ہوگا تو پھر آپ کو صحیح اسلام سمجھ آجائے گا۔

اس زمانے میں مولانا مودودیؒ، ایوب خان کے زیرِ عتاب تھے۔ ان کی ڈاک سنسر ہوتی تھی۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب سے تفتیش کے لیے انٹیلی جنس والے ان کے گھر چلے گئے جس پر والد صاحب نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس کے ردّعمل نے ایک صوفی مزاج شخص کو کارزار سیاست میں دھکیل دیا۔

پہلے مولانا مودودیؒ کی صرف کتابیں پڑھی تھیں اب ان سے باقاعدہ ملاقات کی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن کی حیثیت سے ضلع ملتان میں بھرپور کام کیا۔

مولاناؒ کی وفات تک رفاقت اور ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا۔ جماعت اسلامی میں آپ کی پختگی کی وجہ مولانا مودودیؒ سے براہِ راست ملاقات ہے۔

جماعت اسلامی کے حکم پر آپ نے دومرتبہ الیکشن بھی لڑا لیکن کامیاب نہ ہوسکے، یہ سارا سیاسی عمل

مولانا مودودیؒ کی رہنمائی میں ہوتا تھا۔ بھائی پھیرو میں جب بھی سیاسی عمل میں رکاوٹیں آئیں مولانا مودودیؒ سے براہِ راست رہنمائی حاصل کی گئی۔

ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودیؒ کی عصری مجلس میں سوال کیا کہ دیہات میں کام کرتے ہوئے بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ مولاناؒ نے جواب دیا کہ مرجع خلائق بنیں، لوگوں کی خدمت کریں، ان کی مشکلات ومصائب میں ان کی فی سبیل اللہ مدد کریں۔ جب آپ خلقت کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے تو ان شاء اللہ آپ کے سیاسی معاملات بھی مستحکم ہو جائیں گے۔

۱۹۶۳ میں ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کے متفق بنے۔ ۱۹۷۴ء میں ملازمت سے استعفاد ے کر باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ آج کل امیر جماعت اسلامی ضلع قصور کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اور رات دن اللہ کے دین کے لیے وقف ہیں۔

۱۹۹۱ء میں چوہنگ ضلع لاہور میں پریکٹس شروع کی۔ وہاں طارق منعم صدیقی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ میں آپ سے دین سیکھنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کر لیا اور سوچا کہ کیوں نہ ایک ادارہ بنا دیا جائے جس میں اور لوگ بھی دین سیکھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ دس محرم الحرام ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۳ جولائی ۱۹۹۱ء کو چوہنگ میں ڈاکٹر صاحب کے نو شاگردوں کا اجتماع ہوا۔ اس میں ''دارالاصلاح'' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جس کا ابتدائی خاکہ اور دستور العمل تیار کیا گیا۔ اس دن سے آج تک ''دارالاصلاح'' کام کر رہا ہے اور تقریباً ۴۰ کے قریب مستقل شاگرد اس چشمۂ علم سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

آپ ایک اچھے آئی سرجن ہیں۔ آپ نے علاقہ کے لوگوں کی بڑی خدمت کی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے صرف مشورہ دیتے ہیں۔ ہسپتال کا سلسلہ بند ہے، البتہ ذکر اذکار، تزکیۂ نفس، دعوت الی اللہ، فہم قرآن اور سیاسی امور میں آپ کے مشورے علاقے کے نوجوانوں کے لیے آج بھی مشعل راہ ہیں۔

اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب کی تالیفات ''اسلام کا طبی ضابطہ اخلاق''، ''ہدایت'' اور ''مقصد زندگی'' شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں، ان شاء اللہ ''حقیقت ذکر'' بھی اصلاح اور ہدایت کے طالبوں کے لیے بہترین کتاب ثابت ہوگی۔

عبداللہ شکیل

جمبر ضلع قصور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہِ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم.

یہ تحریر میری کتاب ''اصلاحی انقلاب کے اصول وطریق'' کا ایک باب ہے۔
پوری کتاب کچھ دیر بعد شائع ہوگی لیکن یہ ایک باب چونکہ اپنے موضوع اور مدعا کے اعتبار سے مکمل ہو چکا ہے، اس لیے اسے الگ سے شائع کیا جارہا ہے۔ انقلابی کارکن کے لیے داعی الی الحق ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک اہم اصول ہے کہ نظریۂ انقلاب کی تبلیغ وتشریح قرآن وسنت کی روشنی میں کی جائے۔

اللہ کی دعوت دینے والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ذکر الٰہی بھی کریں۔ اس باب میں ذکر کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل تشریح کی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے والوں کے دل ذکر الٰہی کی لذت سے معمور ہوں گے۔

دارالاصلاح، تعلیم و تربیت اور تزکیہ کا ایک ادارہ ہے جو گزشتہ گیارہ سال سے اصلاح و تربیت کی چھوٹی سی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے سالانہ اور ماہوار اجتماعات میں منتخب موضوعات پر مقالے پڑھے جاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون تین خطابات پر مشتمل ہے۔ ان کو ایک مضمون کی شکل دے کر افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ راہِ حق کے مسافروں اور دعوت الی اللہ کے کارکنوں کے لیے اس مضمون میں بہت رہنمائی ہے۔ داعی حق کی اہم صفات میں ذکر کرنے کی خوبی بھی شامل ہے۔ اہلِ ذکر داعی غافل شخص سے کہیں بہتر ثابت ہوتا ہے۔

اگر کسی کو اس کتاب سے فائدہ پہنچے تو وہ آگے کسی دوسرے شخص تک اس آوازۂ حق

کو پہنچانے کی کوشش کرے اور عند اللہ ماجور ہو۔

اس کتاب میں قرآنی آیات کے حوالے میں سب سے پہلے آیت کا نمبر، پھر سورت کا نام اور آخر میں سورت کا نمبر درج کیا گیا ہے۔

میں محترم مولانا محمد طیب طاہر اور عزیزم عبداللہ شکیل کا ممنون ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب اشاعت کے قابل ہوئی۔

خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہمیں صحیح انداز میں اقامت دین کی جدوجہد میں کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

خاکسار ڈاکٹر عبدالخالق

ایم بی بی ایس

بھائی پھیرو ضلع قصور

فون

رہائش: 04943 - 510341

کلینک: 04943 - 510325

ذکر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ. اَمَّابَعْدُ: فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ. فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ. وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَاعَمِلَ الْعَبْدُعَمَلًا اَنْجٰی لَہٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِاللّٰہِ ط

یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اس نے اپنے اس عاجز بندے کو ذکر کے موضوع پر سوچنے، سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق دی۔ اس کی مدد سے ہی اب اس مضمون کو کتابی شکل دی جارہی ہے۔ ذکر سے مراد اللہ ربّ العزت کا تذکارِ جمیل ہے۔ اسے ذکر الٰہی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ شروع میں ہم سب کو اپنی نیت کی اصلاح اور درستی کر لینا چاہیے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تمام کوششیں کررہے ہیں۔ اس تحریر کو لکھنے اور پڑھنے میں بھی رضائے الٰہی کی آرزو شامل ہے۔ یہ کتاب طالبانِ حق کے لیے ان شاء اللہ ایک رہنمائی ہے۔ اس لیے اسے رہنمائی حاصل کرنے کی نیت سے ہی پڑھنا چاہیے۔

ذَکَرَ کے لغوی معنی ہیں یاد کرنا، اچھی طرح سمجھنا، نام لینا۔ ذِکْرٌ کے معنی ہیں شہرت، تعریف اور مضبوط بات۔
جب ذکر کے ساتھ اللہ کی اضافت آجائے تو پھر مطلب ہوگا ''اللہ کا نام لے کر اسے پکارنا''۔ اپنے دل اور دماغ میں اس کی یاد کو تازہ اور محفوظ رکھنا۔ ذَکَّرَ. یاددلانا، وعظ کرنا، یاددہانی کرانا، اور یادداشت میں محفوظ کرنا کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

ذکر کی وجوہات

محبت

یہ ایک اہم سوال ہے کہ ذکر کیوں کیا جائے؟اس کے بہت سے جواب ہیں۔ان جوابات میں سے ذکر کی ایک اہم ترین وجہ محبت ہے۔انسان جب بھی کسی سے محبت کرے تو محبّ کے منہ پر بار بار اپنے محبوب کا نام آتا ہے۔محبوب کے فراق میں آہیں بھری جاتی ہیں۔اس سے منسوب اشیا کو یادیں تازہ کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ مخلوق کی بجائے خود خالق کائنات سے محبت کرے۔قرآن کا بیان ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ اور ایمان والے تو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (۱۶۵۔البقرہ۔۲)

اللہ کی راہ کا مسافر،اللہ کی طرف عوام کو دعوت دینے والا ، اللہ کا مجاہد جب محبت سے سرفراز ہوتا ہے تو اسے بار بار اللہ کے احسانات یاد آتے ہیں۔اس طرح اپنے قلبی تعلق کی بنا پر وہ کثرت سے اللہ کا نام لیتا ہے۔خواہ وہ کسی بھی شکل یا حالت میں ہو۔

خشیت

خشیت کے معنی ہیں ڈرنا،خوف کھانا۔ یہ ایک فطری عمل ہے اور ہر انسان کو روزمرّہ اس بات کا تجربہ ہوتا ہے کہ جس کی ہیبت دل میں جا گزیں ہو جائے ، وہ شخصیت اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے۔بار بار آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔قلب ونظر اسی کے تصور میں کھو جاتے ہیں۔اب یہ خوف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کی وجہ سے ہو تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔متّقی وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رفعت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے تو انسانی عقل حیران و پریشان ہو کر ٹھٹک جاتی ہے اور اللہ کی کبریائی کا تصور دل میں خوف پیدا کرتا ہے اور بار بار زبان پر اللہ کا نام آتا ہے۔

وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ
(۳۷۔الاحزاب۔۳۳)

اور اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾
(۹۰۔الانبیاء۔۲۱)

یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾
(۱۶۔السجدہ۔۳۲)

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اپنے ربّ کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
(۱۰۲۔آل عمران۔۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

ان سب آیات کو ملا کر پڑھنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ توحید اور ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے۔ جب دل خوفِ اللہ سے لرزتے ہیں تو پھر ذکر الٰہی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔اللہ سے تعلق مستحکم کرنے میں محبت اور خوف دونوں مل کر اثر پذیر ہوتے ہیں۔دل کے احوال بدلتے رہتے ہیں۔کسی وقت اسے خوف متاثر کرتا ہے محبت متاثر نہیں کرتی اور بعض اوقات بات الٹ ہو جاتی ہے کہ دل محبت کا اثر لیتا ہے،خوف کا اثر نہیں لیتا۔روزمرہ کے احوال کی بدلتی کیفیات میں جو قوت بھی مؤثر ہے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔خوف یادِ الٰہی کے لیے ایک اہم عنصر ہے۔

اقتدار

اقتدارِ مطلق بھی ذکر کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ ہے۔ دنیاوی بادشاہوں، سرداروں، جاگیرداروں اور طاقتور طبقوں کا اقتدار نظر آتا ہے اور عام شہری کے لیے مشکل ہے کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں اہل اقتدار کا نام زبان پر نہ لائے۔اچھے یا بُرے الفاظ میں اہل اقتدار کا ذکر زبان

زدِخاص وعام رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزانہ اخبارات کے صفحات میں نظر آتی ہے۔

اللہ اس پوری کائنات کا مالک اور حکمران ہے۔قرآن بیان کرتا ہے کہ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۴۵۔الکھف۔۱۸)

اللہ تعالیٰ کا یہ اقتدار دائمی ہے۔اس دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، وہ اپنی قوت کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے۔وہ خود اپنی صفات حمیدہ کی وجہ سے ہی محمود ہے، وہ عزیز ہے، غالب ہے، مقدّس ہے، دانا ہے۔اہل ایمان اس فطری اصول کے تحت اپنے مالک اور آقا کو ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔

مشکل کشائی

توحید کے دلائل دیتے ہوئے قرآن ایک سوال کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

(۶۳۔الانعام۔۶)

اے محمد ﷺ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ یا کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔

یہ حال ان مشرکین کا تھا جو مکہ میں رہتے تھے۔ کہ جب کوئی مشکل پڑتی تو اللہ وحدہ لاشریک کو یاد کرتے اور اُس سے دعائیں مانگتے اور جب خشکی پر صحیح سلامت واپس آجاتے تو پھر اپنی سابقہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾

(۶۵العنکبوت ۲۹)

جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

قرآن اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ کافر و مشرک بھی اپنی مشکل گھڑی میں اللہ کو

پکارتے ہیں۔اہل ایمان کا تو عقیدہ ہی یہ ہے کہ اللہ ہی مشکلات حل کرتا ہے۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔ (۶۲۔النمل ۲۷)

مسلمانوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے جب کبھی مشکل پڑتی ہے تو زبان خود بخود اللہ کو یاد کرنا اور دعا کرنا شروع کر دیتی ہے اور اگر یہ مشکل لمبی ہو جائے تو یاد کرنے کا عمل بھی لمبا ہو جاتا ہے اور بکثرت اُٹھتے بیٹھتے تسبیح و دعا کا شغل جاری رہتا ہے۔مصائب کے وقت مسلمان اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔کئی لوگ لاکھوں کے حساب سے آیۃ کریمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ظالم سے ظالم انسان بھی مشکل وقت میں اللہ کے حضور عاجزی سے جھک جاتا ہے۔یہ طرزِ عمل انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے، حاکم اور آقا ہے۔اس لیے مصیبت کی گھڑی میں بھی وہی کام آتا ہے۔یہ صرف عقیدے کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔

قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ جب مشکل میں اللہ کو یاد کرتے ہو تو اسے ہر وقت بھی یاد رکھو۔مگر انسان میں یہ کمزوری ہے کہ جب مشکل آسان ہو جاتی ہے تو پھر وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور یادِالٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اخلاص اور ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان مشکل اور آسانی ہر دو حالتوں میں اللہ کو یاد رکھے۔وقتی مفادات کے لیے وقتی ذکر مفید ہو جاتا ہے۔لیکن ابدی نتائج کے لیے ہمیشہ ذکر اور دعا جاری رہنی چاہیے۔آسانی کے دنوں میں شکر کے ساتھ یاد کرنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ایک انسان کے پاس کسی مسئلے کو حل کرنے کی طاقت ہو تو لوگ اس کے پاس ہجوم کر دیتے ہیں۔اور جب وہ مسئلہ حل ہو جائے تو پھر سلام دعا بھی بھول جاتے ہیں۔ یہ انسانی کمزوری بہت ہی نقصان دہ ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے۔

شکر

جب انسان اپنے اردگرد اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کو دیکھتا ہے تو اس کی کرم نوازیوں، احسانات کا اسے احساس ہوتا ہے۔ اور ازخود اس کی زبان پر اللہ کی تعریف، توصیف اور شکریے کے الفاظ آجاتے ہیں۔

جوں جوں احساس نعمت گہرا ہوتا جاتا ہے، شکر کے جذبات میں بھی شدت آتی جاتی ہے اور یہ شکر فکر، قول اور عمل میں بھی داخل ہوجاتا ہے۔ یہ یقین بھی شکر کے مفہوم میں داخل ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ اللہ کے احسانات کا زبانی اقرار کرنا اور اس کے لیے شکریے کے الفاظ ادا کرنا بھی عبادت کا حصہ ہے۔ عملاً اللہ کی فرمانبرداری کرنا اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا بھی شکر گزاری کا حصہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں زیادہ لمبا قیام کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپؐ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ بخشے گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (بخاری بروایت حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

حکم باری تعالیٰ ہے:

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴿۶۶﴾ تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں شامل ہوجاؤ۔ (۶۶۔ الزمر۔ ۳۹)

جب احساسِ شکر اُجاگر ہوتا ہے تو زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؁ کے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں۔ شکر کا جذبہ بھی ذکر الٰہی کا محرک ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ذکر کی ابتدا ہی جذبۂ شکر سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ابتدا بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴿۱۲۱﴾ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اس کو منتخب کرلیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ (۱۲۱۔ النحل۔ ۱۶)

ہمیں بھی چاہیے کہ انبیاءؑ کے نقشِ قدم پر چل کر شکر گزار بندے بنیں اور اللہ کے ذکر

سے اپنی زبانوں کو تر رکھیں۔

دنیاوی مفادات

دنیاوی مفادات کی حرص بھی زبان پر اللہ کا نام لے آتی ہے۔ بظاہر انسان کاروبار کرتا ہے اور خود رزق حاصل کرتا ہے اور دیگر ضروریات زندگی اپنے ہاتھوں سے حاصل کرتا ہے لیکن اہل ایمان جانتے ہیں کہ یہ روزمرّہ زندگی کی ضرورتیں بھی اللہ کے فضل و کرم ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کا فضل حاصل کرنے کے لیے انسان ذکر بھی کرتا ہے اور دعا بھی۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ سے مانگ کر حاصل کرنا جائز ہے بلکہ پسندیدہ بھی ہے۔

نیت کے باب میں ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کے طالب کو آخرت میں کچھ نہیں ملتا۔ اس لیے دنیا طلبی کے سلسلہ میں شریعت کے اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ ان نصائح کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ مفاداتِ دنیا کے لالچ میں بھی انسان اللہ کو یاد کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی اکثریت آپ کو مل جائے گی جو گلیوں بازاروں میں پھر رہے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے۔ اس دانوں کی تسبیح پر وہ کوئی وظیفہ ورد کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کے پورے ہونے پر ان کو اُمید ہوتی ہے کہ ان کے مطلوبہ اہداف پورے ہو جائیں گے۔ خاص طور پر جب طبعی امور کے ذریعے انسان کا کام نہ ہو تو پھر روحانی طریقوں اور ذکر اذکار سے اپنا کام نکلوانا چاہتا ہے۔

احساسِ بندگی

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے، وہی آقا اور مولا ہے، وہی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ ہے۔ جب انسان اللہ کی عظمت پر غور کرتا ہے تو اس کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ احساسِ بندگی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے۔ انسان جب اپنے آپ کو اللہ کے مقابلے میں حقیر جان لے تو پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اللہ کتنا عظیم ہے۔ پھر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ“ ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی“۔ یہ ایک

نسبت تناسب کا قاعدہ ہے۔ انسان جتنا اپنے آپ کو کمتر محسوس کرے گا اسی نسبت سے اللہ کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں ہوگی۔ اور اسی تناسب سے ذکر الٰہی میں مصروف ومشغول ہوگا۔ بندگی اور عاجزی کی ابتدا احساس سے ہے۔ صرف مان لینے سے کام نہیں چلتا۔ انسان اس بات کو دل کی گہرائی سے تسلیم کرے کہ ہاں میں واقعی بندہ ہوں۔ بڑا نہیں۔ بڑائی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے۔ جتنا احساسِ بندگی گہرا ہوگا اتنا ہی انسان ذکر الٰہی کی طرف راغب ہوگا۔

اعتصام

اعتصام کے معانی ہیں مضبوطی سے پکڑنا، تھامنا، تعلق جوڑنا۔ اعتصام باللہ کا مطلب ہے تعلق باللہ۔ اللہ کے ساتھ انسان کا مضبوط ترین رشتہ ربّ اور بندے کا رشتہ ہے یعنی آقا اور غلام کا رشتہ۔ جوں جوں یہ رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا جاتا ہے توں توں تعلقات میں قربت اور اپنائیت آتی جاتی ہے۔ ایمانی پختگی کے ساتھ آقا کا ذکر خود بخود زبان پر آجاتا ہے۔ حمد وثنا سے زبان ہر وقت تر رہتی ہے۔ جب راہِ حق کے مسافر اپنے اس تعلق میں اطاعت کا اضافہ کرلیتے ہیں تو ذکر میں استغراق پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ یہ تعلق اللہ سے جڑتا ہے بلکہ قرآن، دین حق اور رسول اللہ ﷺ سے بھی تعلق میں گہرائی آجاتی ہے۔ اعتصام کی ترقی سے انسان میں تقویٰ اور تزکیہ کو بھی ترقی ملتی ہے۔ جہاد اور ہجرت کے مراحل سے گزر کر پھر انسان اقامت دین کے لیے جنگ بھی کرتا ہے اور آخری منزل وہ شہادت ہے جب ایک مخلص بندۂ اللہ اپنی جان کا نذرانہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتا ہے۔ یہ تعلق باللہ کی مختلف منزلیں ہیں۔ جن میں ہر دم ذکر الٰہی میں دل، زبان اور روح مستغرق رہتے ہیں۔

توفیق

یہ بات حق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا ربّ ہے۔ مالک اور آقا ہے۔ ہم اس کے ذکر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر ہمارا ذکر ہمارے ذاتی مفاد، اجتماعی مفاد اور عالم گیر فائدے میں ہوگا اور قانون مشیّت، قانون تقدیر کے اصول وضوابط کے تحت ہوگا تو پھر ہمیں اس ذکر کے کرنے اور

اس کے فائدے سمیٹنے کی توفیق مل جائے گی۔ اگر ذکر کسی ایک ضابطے کی خلاف ورزی میں ہوگا تو توفیق نہیں ملے گی۔ مثلاً حالات کا تقاضا ہے کہ ہم کاروبار کریں۔ ہم کاروبار کرنے کی بجائے نفل اور تسبیح میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ایسے ذکر کے بعد کاروبار اور خاندانی نظام خراب ہوجائے گا اور حالات کا رخ بدل جائے گا۔ ہمیں ناچار واپس کاروبار کی طرف آنا پڑے گا۔ سمجھدار آدمی کے لیے تو ایک اشارہ ہی سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ آیا توفیق الٰہی اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔ قرآن ہمیں سمجھاتا ہے کہ ذکر کی توفیق کا تعلق قانون مشیّت کے تحت ہے۔

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ ٱلتَّقْوَىٰ وَأَهْلُ ٱلْمَغْفِرَةِ ۝
(۵۶۔المدثر۔۷۴)

اور یہ کوئی سبق حاصل نہیں کریں گے الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے وہ اس کا حقدار ہے کہ اس سے تقویٰ کیا جائے اور اس کا اہل ہے کہ ان ڈرنے والوں کو بخش دے۔

اُمید

أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ ٱلْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا۟ رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ
(۹۔الزمر۔۳۹)

کیا وہ شخص بہتر ہے یا وہ کہ جو مطیع فرمان ہے۔ رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے ربّ کی رحمت کی اُمید لگاتا ہے۔

امید انسان کو ذکرالٰہی کی طرف راغب کرتی ہے۔ امید کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو رغبت کو بڑھاتا ہے۔ اللہ سے ملاقات کی اُمید، کہ مرکر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور اللہ کے وعدوں پر یقین، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دلائی ہے کہ وہاں بہت سے انعامات ملیں گے۔ اور یہ کہ وہاں گھبراہٹ نہیں ہوگی، چہرے روشن ہوں گے، اللہ کی رحمت کا سایہ ملے گا، نیکیوں کے اجر کا وعدہ۔ اور یہ تسلّی کہ تمہارا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ اور تمہیں تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر ملے گا۔ یہ امید کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے گا اور کامرانیاں عطا کرے گا۔

اللہ کے یہ تمام وعدے سچے ہیں۔ مردِمومن اللہ کے فضل وکرم کی امید پر اس کی

عبادت کرتا ہے، اسے سجدہ کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور دیگر نیک اعمال کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جان کنی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان سے پوچھا کہ اس حالت میں تم اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہو؟

قَالَ اَرْجُو اللّٰهَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنِّى اَخَافُ ذُنُوْبِى. اس نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں سے بھی ڈرتا ہوں۔ (ترمذی)

بعض اوقات انسان غلط اُمیدیں بھی وابستہ کرلیتا ہے۔ اسے قرآن نے تمنا کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے غلط توقعات رکھنا گناہ ہے۔ مسلمان حق پرست ہے، حقیقت پسند ہے اور حق کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا حق ہے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور انسان کو جو امیدیں دلا دی گئی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ اور اللہ کے فضل کی اُمید پر اللہ کے حکم کی تابعداری کرنا اور اس کے ذکر میں رطب اللسان رہنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اُمید کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے، حقیقت پسندی کے ساتھ ہے، اپنے اصل آقا سے رحمت کی امید رکھنا کائنات کی بہت بڑی حقیقت ہے۔ جنت کی امید پر اہل ایمان جان کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں، ذکر تو بہت آسان عمل ہے۔

ذکر کی اقسام

مغزِ عبادت

ذکر ہر عبادت کا حصہ ہے۔اللہ کا نام ہر صورت میں زبان پر آجاتا ہے۔کوئی عبادت چھوٹی ہو یا بڑی اس میں اللہ کا نام کسی نہ کسی رنگ میں ضرور آتا ہے۔اس لیے نبی ﷺ نے ذکر کو ''مُخُّ الْعِبَادَةِ'' عبادت کا مغز کہا ہے۔اللہ کا نام ذاتی یا صفاتی ہر دفعہ استعمال ہوتا ہے۔مثلاً سجدہ ایک بہترین عبادت ہے اور سجدہ کا مرکزی فقرہ ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ذکر الٰہی کے بغیر کوئی بھی عبادت مکمل نہیں ہوتی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَاعَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰی لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (ترمذی)

بندے نے ذکر الٰہی سے بہتر کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو عذابِ الٰہی سے سب سے زیادہ نجات دلانے والا ہو۔

قرآن

قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کہا ہے۔اگر اسم ذات یا اسم صفات کے حوالے سے غور کیا جائے تو جس تفصیل سے اللہ کی شان قرآن میں بیان کی گئی ہے دوسری اور جگہ سے معلوم نہیں ہوسکتی۔درج ذیل آیات میں ذکر کا لفظ قرآن کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

اس ذکر (قرآن) کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کی نگہبانی کر رہے ہیں۔ (۹۔الحجر۔۱۵)

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

اور یہ ایک بابرکت ذکر (قرآن) ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور تم ہو کہ اس کے منکر بنے ہوئے ہو۔ (۵۰۔الانبیاء۔۲۱)

جب ہم تلاوت قرآن کرتے ہیں اور اس کے معانی پر تدبر اور تفکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان کئی طریقوں سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ بہت سے توحید کے دلائل ذہن نشین ہوتے ہیں۔ انسان کے اللہ سے تعلق کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ اور بندے کے رشتے کی تمام تفصیلات سمجھ میں آجاتی ہیں۔قرآن ایک بہترین ذکر ہے۔

قرآن کے حقوق

قرآن پر ایمان

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَٰبِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾

(۱۳۶۔النساء۔۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو وہ اس سے پہلے نازل کر چکا ہے۔جس نے اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۸﴾

(۸۔التغابن۔۶۴)

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس روشنی (قرآن) پر جو ہم نے نازل کی ہے۔جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اللہ ربّ العزت اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے بعد قرآن پر ایمان لانا ضروری اور بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ یقین کہ قرآن ایک سچی کتاب ہے جو کسی انسان نے نہیں لکھی بلکہ کلام الٰہی ہے اور براہِ راست حضرت جبریل علیہ السلام نے بلا کم و کاست پہنچائی ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

تَنزِيلُ الْكِتَٰبِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾

(۱۔الزمر۔۳۹)

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جو زبردست قوت والا اور دانا ہے۔

اس میں جو کچھ تحریر ہے وہ سب حق اور سچ ہے۔پسِ پردہ جن حقیقتوں کا بیان ہوا ہے وہ

سب درست ہیں۔اس میں ظن اور شک والی کوئی بات بھی درج نہیں ہے۔قرآن حکیم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دانائی کی باتیں درج ہیں۔اس کا ہر حکم اپنے اندر دانائی رکھتا ہے۔قرآن نے اگر کسی کام سے روکا ہے تو اس کے اندر بھی دانائی اور حکمت موجود ہے۔قرآن مجید کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک عالی شان کلام ہے۔کائنات کے ذی شان ربّ نے اسے اعلیٰ وارفع کلام بنا دیا ہے۔چونکہ یہ شاہِ کائنات کی طرف سے ہے اس لیے اس میں شاہانہ شان بھی موجود ہے۔ہمیں یقین ہے کہ قرآن نے باتیں کھول کھول کر بڑی وضاحت سے سمجھائی ہیں۔حق کو پہچاننے کے لیے ایمان، یقین اور اعتماد کی ضرورت ہے۔جتنا یقین مستحکم ہوگا اتنا ہی قرآن سے تعلق گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

تلاوت قرآن

قرآن نے دو ہم معنی الفاظ استعمال کیے ہیں۔قرأت اور تلاوت، تلاوت میں مطلق پڑھنے کا مفہوم شامل ہے لیکن قرأت میں ترجمہ وتفسیر و تدبر کے ساتھ پڑھنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔بغیر سوچے سمجھے پڑھنا بھی ثواب کا کام ہے لیکن ہدایت اور تعلق باللہ کے لیے تلاوت وہی مفید ہے جس کے ساتھ ترجمہ وتفسیر بھی شامل ہو۔اس لیے ہمیں کچھ وقت روزانہ نکال کر قرآن کو ناظرہ اور باترجمہ دونوں طرح سے پڑھنا چاہیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾

(۲۹۔فاطر۔۳۵)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے، اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں۔ یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔

الَّذِينَ آتَيْنَٰهُمُ الْكِتَٰبَ يَتْلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُولَٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِۦ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخَٰسِرُونَ ﴿١٢١﴾

(۱۲۱۔البقرہ۔۲)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔ جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں وہی اصل میں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

عَلِمَ أَن لَّنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ (۲۰۔المزمل۔۷۳)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے۔لہٰذا اس نے تم پر مہربانی کی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

نماز کے لیے سورہ فاتحہ کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری ہے۔اس کے ساتھ چار دیگر سورتیں بھی یاد کر لی جائیں تو بہتر اور گزارا ہوگا۔

قرآن پڑھنے کے لیے نماز کے علاوہ بھی وقت نکالنا چاہیے۔قرآن میں ہے کہ

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۷۸﴾ (۷۸۔بنی اسرائیل۔۱۷)

تحقیق فجر کے وقت قرآن پڑھنے پر (فرشتوں کو) گواہ بنایا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح کے وقت قرأت وتلاوتِ قرآن ایک مفید عمل ہے جس کی گواہی فرشتے دیتے ہیں۔قرآن پڑھتے وقت الفاظ کی صحت کا خاص خیال کرنا چاہیے۔ زیر زبر کے فرق سے معانی تبدیل ہو جاتے ہیں۔مثلاً اَنۡعَمۡتُ کے معانی ہیں (میں نے انعام کیا) اور اَنۡعَمۡتَ کے معانی ہیں (تو نے انعام کیا)۔اس لیے اعراب کے فرق کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔تیز تیز قرآن پڑھنا کہ سننے والے کو سمجھ ہی نہ آئے، غلط ہے۔نماز تراویح میں حفاظ کرام اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ سامعین اور مقتدیوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ایسی تیز رفتار قرأت ناپسندیدہ ہے۔

أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ (۴۔المزمل۔۷۳)

یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۳۲﴾ (۳۲۔الفرقان۔۲۵)

منکرین کہتے ہیں کہ اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا۔ ہاں، ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں۔ ہم نے اسے ایک خاص ترتیب سے الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے۔

حضورﷺ بہت آرام سے پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والے قرأت سن کر ہی یاد کرلیا کرتے تھے۔ حضرت امِّ سلمہؓ نے

قِرَأَةَا لنَّبِیّ ﷺ فَاِذَاھِیَ تَنُعَتُ قِرَاءَۃً مُفَسَّرَۃً حَرُفًا حَرُفًا

نبیﷺ کی قرأت کی صفت یہ بیان کی کہ آپؐ ایک ایک حرف واضح کر کے پڑھا کرتے تھے۔ (لیث بن سعد۔ ترمذی)

زَیِّنُوا الُقُرُاٰنَ بِاَصُوَاتِکُمُ

اپنی آوازوں میں قرآن کو زینت دو۔

(براء بن عازبؓ۔ احمد)

تیز پڑھنے سے اِعراب اور الفاظ کی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ انسان ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور تلفّظ، اِعراب اور جملوں کا خاص خیال رکھے۔ غلط قرآن پڑھنا انسان کو گناہ گار کر دیتا ہے اور ثواب سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ نبیﷺ نے فرمایا کہ

تَعَلَّمُوا الُقُرُاٰنَ فَاقُرَأُوُہُ.

قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور پھر اسے پڑھا کرو۔

(ابو ہریرہ۔ ترمذی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ بزرگ و برتر فرماتے ہیں کہ

مَنُ شَغَلَہُ الُقُرُاٰنُ عَنُ ذِکُرِیُ وَمَسُئَلَتِیُ اَعُطَیُتُہُ اَفُضَلَ مَااُعُطِی السَّائِلِیُنَ.

جس کو قرآن خوانی کا شغل، ذکر اور دعا مانگنے سے غافل کر دے میں اسے مانگنے والوں سے بہتر اور زیادہ دیتا ہوں۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا:

مَنُ قَرَأَ حَرَفًا مِّنُ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالُحَسَنَۃُ بِعَشُرِ اَمُثَالِھَا.

جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے تو اسے بدلے میں ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہو گی۔ (ترمذی)

قرآن کا سننا

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۰۴﴾

(۲۰۴۔الاعراف۔۷)

اور جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے۔

جب کوئی شخص قرآن بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا درسِ قرآن دے رہا ہو یا کوئی استاد اپنے شاگردوں کو قرآن کی تعلیم دے رہا ہو تو سامعین کے لیے ضروری ہے کہ وہ پوری توجہ سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔تمام خیالات سے دماغ کو فارغ کر کے قرآن کی طرف دھیان کریں۔ قرأتِ قرآن یا تعلیم القرآن کے وقت شور کرنا گناہ ہے، یہ کافروں کا کام ہے۔ درسِ قرآن کی مجلسوں میں بلند آواز سے سلام پکارنا بھی گناہ ہے۔ بلند آواز سے سلام کہنے سے مقرر کے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں اور سامعین کی توجہ بھی بٹ جاتی ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ درسِ قرآن کے دوران آنے والا شخص آرام سے آخری صفوں میں بیٹھ جائے اور قرآن کو توجہ سے سنے۔ جو لوگ قرآن کے معانی اور رموز سے واقف ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے انہماک اور ذوق کی کیفیت جاہلوں سے بہت بہتر ہوتی ہے۔استغراق وانہماک اللہ کا فضل ہے جو خاص خاص لوگوں کو ملتا ہے۔ نبی ﷺ خود ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا کرتے تھے۔صحابہ کرامؓ چونکہ اہل زبان تھے اس لیے ترجمہ وتفسیر کے محتاج نہ تھے۔ان کو قرآن کے معانی اچھی طرح سمجھ آجاتے تھے۔ہمیں ترجمہ وتفسیر کے بغیر سمجھ کم آتی ہے۔البتہ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اگر کوئی اچھا قاری پڑھ رہا ہو تو جاہل آدمی کے دل میں بھی ایک کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب کبھی ناظرہ قرآن کی تلاوت کی جائے جیسا کہ جلسوں میں ہوتا ہے تو پھر ان آیات کا ترجمہ بھی ساتھ ہی سنا دینا چاہیے تاکہ قرآن سننے سے سامعین کے دلوں پر اثر ہو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾	سچے ایمان والے تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں۔

(۲۔انفال۔۸)

شیطان سے پناہ

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾	پھر جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

(۹۸۔النحل۔۱۶)

شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے۔ وہ اسے گمراہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ قرآن کی خوبی یہ ہے کہ اسے پڑھ کر ہی ہدایت ملتی ہے۔ بعض اوقات قرآن سے ہدایت ملنے کی بجائے گمراہی بھی مل جاتی ہے اور شیطان قرآن سے غلط استدلال کر کے مسلمانوں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے قاری سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنے ازلی دشمن کو پہچانو اور قرآن کی تلاوت سے پہلے شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ کی دعا کرو۔ بلکہ دورانِ تلاوت اگر بات سمجھ نہ آ رہی ہو تو بھی دورانِ تلاوت اللہ کی پناہ کی دعا کرو۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنا

ہدایت کے معنی ہیں ''رہنمائی''۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے قرآن کو نور بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشن شاہراہ کی طرف رہنمائی کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾	حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

(۹۔الاسراء۔۱۷)

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ نیکو کار لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔

(۲۔۳۔لقمان۔۳۱)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔

(۱۷۴۔النساء۔۴)

قرآن کی ہدایت کسی ایک شعبۂ زندگی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے ہے۔اس کی ہدایت مکمل اور اکمل ہے۔ دنیا کی روزمرّہ ضروریات ومصروفیات میں سے کوئی ایک بھی ضرورت ایسی نہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں نہ ہو۔تفصیلاً یا اجمالاً قرآن کی رہنمائی بہر حال موجود ہے۔اچھا ذاکر وہ ہے جو قرآن صرف ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے پڑھے۔یہ قرآن کا وعدہ ہے کہ اس کی تلاوت جس نیت سے کی جائے گی اس کے مطابق ہی اجر ملے گا۔جو لوگ صرف ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں ان کو ثواب تو مل جاتا ہے ہدایت نہیں ملتی۔لیکن جو لوگ ہدایت کی نیت سے پڑھتے ہیں اور قرآن کے الفاظ ومعانی میں تدبر کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو ہدایت کے ساتھ ثواب دارین بھی مل جاتا ہے۔قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کے حکم پر عمل کیا جائے۔جیسے سائنس دان تجربے کرتے ہیں اسی طرح قرآن کے کسی حکم پر عمل کر کے مسلمان تجربہ کرے کہ اسے کس قدر رہنمائی صحیح طور پر حاصل ہو رہی ہے۔جب انسان ہدایت کی نیت سے قرآن پڑھے گا تو اسے عام اور روزمرہ پڑھی جانے والی آیات میں ہی بڑی بڑی ہدایت کی باتیں ملیں گی۔

انابت

انابت کے معانی ہیں رجوع کرنا،توجہ کرنا،طلب کرنا،شوق رکھنا۔اب ہدایت ان کو ملتی ہے جو انابت کرتے ہیں۔

ارشاد ہے:

أَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کرلیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ (۱۳۔الشوریٰ۔۴۲)

اب صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن آچکا ہے۔اس کے اُردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔اپنے گھر کی الماری میں اچھے اچھے ترجمے بھی موجود ہیں۔اب یہ ہماری کم ظرفی ہے کہ میز سے الماری تک کا دوفٹ کا فاصلہ ہم طے نہیں کرتے۔ایک گھنٹہ اخبار پڑھنے میں لگا دیتے ہیں پندرہ منٹ تفہیم القرآن کا مطالعہ نہیں کرسکتے۔جب تک ہم قرآن سے یہ بے اعتنائی برتتے رہیں گے قرآن ہدایت نہیں دے گا۔البتہ اگر ہم خلوص سے قرآن کو کھولیں اور طلبِ صادق کے ساتھ پڑھیں تو ہدایت مل سکتی ہے۔قرآن کی طرف اپنے روزمرہ مسائل کے لیے رجوع نہ کرنا ایک بڑی زیادتی ہے جو ہم سے ہو جاتی ہے۔اس غلطی کی پاداش میں ہمارے مسائل الجھتے جاتے ہیں۔نہ ہم توجّہ کریں نہ قرآن ہمارے مسائل ومشکلات کا حل بتائے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم صحیح انداز میں اس دنیا میں کام کرسکیں تو ہمیں قرآن کی طرف توجہ کرنا ہوگی۔اس کے ساتھ اپنے سچّے اور گہرے تعلق کو اُستوار کرنا ہوگا اور اپنے علم وادراک میں اصلاح کرنی ہوگی۔

اعتصام

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ...... سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (۱۰۳۔آل عمران۔۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ. (ترمذی)

حبل اللہ سے مراد قرآن ہے۔اعتصام کا مطلب ہے مضبوطی سے تھامنا۔قرآن سے

اپنے تعلق کو جتنا گہرا کیا جائے گا اس کی رہنمائی اتنی فراوانی سے ملے گی۔ جب قرآن سے استفادہ زندگی کا معمول بن جائے اور قرآنی آیات کے حوالے زبان پر بار بار آئیں تو پھر قرآن کی ہدایت حاصل کر کے زندگی کی گاڑی کو صحیح رُخ پر چلانا آسان ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گھر کے فرد روز ملاقات کرتے ہیں اسی طرح قرآن سے بھی ہماری ملاقات روز ہونی چاہیے۔ بلکہ دوستی اور محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی باتیں زبانی یاد رہ جائیں اور دنیا کے ہر کام میں قرآن کی تعلیمات کے مطابق عمل بھی کیا جائے۔

ابو شُریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اِنَّ هٰذَاالْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِاللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْابِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا وَلَنْ تَهْلِكُوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا.

(الترغیب والترھیب)

اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس قرآن کو مضبوطی سے تھامو تو تم سیدھی راہ سے کبھی نہیں بھٹکو گے اور نہ ہی اس کے بعد ہلاکت سے دوچار ہو گے۔

قرآن کی پیروی

قرآنی احکامات پر عمل کرنا اسلام کی بنیاد ہے۔ فرائض کی پابندی اور منکرات سے بچنا ضروری ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا فرض بھی معاف نہیں ہوتا البتہ عذر شرعی کی موجودگی میں فرائض کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً بیمار کو روزہ رکھنے اور قضا کرنے کی سہولت ملتی ہے اور اگر زیادہ بیمار ہے تو فدیہ بھی دے سکتا ہے۔ عذر شرعی کے بغیر قرآن کے حکم کی نافرمانی گناہ ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

(۱۰۵۔النساء۔۴)

اے نبی ﷺ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے۔ تا کہ جو راہِ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے۔ ایک برکت والی کتاب۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۱۵۵۔الانعام۔۶)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

لہٰذا جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(۱۵۷۔الاعراف۔۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نُزِّلَ الْقُرْآنُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٍ وَّحَرَامٍ وَمُحْكَمٍ وَّمُتَشَابِهٍ وَّاَمْثَالٍ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ.

قرآن مجید میں پانچ چیزیں ہیں۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ پس حلال کو حلال سمجھو، حرام کو حرام قرار دو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔

(مشکوٰۃ)

البتہ یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے کہ اگر دل کی خوشی سے کوئی فرض ادا کیا جائے تو اس کا اجر و ثواب زیادہ ملتا ہے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ

اور جو اپنی خوشی سے بھلائی کرے تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے

(۱۸۴۔البقرہ۔۲)

گناہوں سے بچنا

جس طرح کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح کئی ایک کاموں سے روکا بھی گیا ہے۔

تقویٰ کے معانی میں پرہیزگاری بھی شامل ہے۔ متقی کے لیے قرآن کی ہدایت کے دروازے کھلے ہیں۔ متقی وہ شخص ہے جو گناہوں سے بچے۔

وَ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝۳۷ (۳۷۔الشوریٰ۔۴۲)

وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَائِبَهٗ وَغَرَائِبُهٗ فَرَائِضُهٗ وَحُدُوْدُهٗ. (بیہقی)

قرآن کے معانی بیان کرو۔ اس کے اعلیٰ احکامات کی پابندی کرو، اعلیٰ احکامات سے مراد فرائض کی پابندی اور گناہوں کی حدوں کی حفاظت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشْرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (احمد۔ترمذی)

جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کے مطالب کو اچھی طرح یاد کیا۔ اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کے لیے اس کی سفارش قبول فرمائے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔

قرآن کی تعلیم

قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور دوسرے انسانوں کو اس کی تعلیم دینا ضروری ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ. (بخاری)

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

تلاوت سے زیادہ ضروری قرآن کی تعلیم ہے۔ اگر ایک آیت ہی آتی ہو تو اسی ایک

آیت کی دوسروں کو تعلیم دینی چاہیے استاد اور شاگرد دونوں کو کم از کم اتنی سمجھ تو آ جانی چاہیے کہ روزمرہ زندگی میں کیا حرام اور کیا حلال ہے؟ فرض کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ حقوق کیا ہیں؟ معاملات اور آداب میں اچھی چیز کیا ہے اور ناپسندیدہ آداب کون سے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو قرآن کی باقاعدہ تعلیم دی اور قرآن کے رموز و حقائق سے آگاہ کیا۔ تعلیم دینا کارِ نبوت میں سے ہے۔

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

جس طرح ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ (۱۵۱۔البقرہ۔۲)

قرآن کو نور کہا گیا ہے اور یہ نورِ ہدایت ہے۔ اچھا مسلمان وہ ہے کہ وہ خود بھی اس نور کو اپنے سینے میں محفوظ رکھے اور آگے لوگوں تک اس روشنی کو پھیلائے۔ علم کی روشنی سے جہالت دُور ہوتی ہے اور جاہل مسلمان وہ کام نہیں کرسکتا جو اہل علم کر سکتے ہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَٰبِ ﴿٩﴾

ان سے پوچھو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو صرف عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔ (۹۔الزمر۔۳۹)

سوجھ بوجھ (تفقُّہ)

انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔ (۶۵۔الانعام۔۶)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ تَفَقُّہ تعلیم سے مختلف لفظ ہے۔ سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم القرآن کے بعد تدبر و تفکر کرکے قرآن کی آیات و احکامات کا گہرا

شعور حاصل کیا جائے۔ بعض مقامات پر قرآن نے اپنے ارشادات کو چھپایا ہے اور مجمل انداز میں پیش کیا ہے۔ بعض اوقات تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس تعلیم القرآن کے نتیجے میں انسان کی سوچوں کا دھارا بدل جاتا ہے اور اس میں اتنی فہم و فراست پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ قرآنی آیات سے روزمرہ کے مسائل کے حل کے لیے کوئی راستہ تلاش کر سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ قبائل میں سے سمجھ دار جوانوں کو مدینے بلایا جاتا اور اُن کو قرآن کی تعلیم دی جاتی۔ اس پر تدبر و تفکر کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا اور دینی مسائل کا شعور پیدا کیا جاتا۔ اس طرح سے مدینہ قرآن کو سمجھنے کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾

(۱۲۲۔ التوبہ۔ ۹)

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے۔ مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تا کہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

قرآن کو سمجھنا عربی دان کے لیے بہت آسان ہے لیکن ہم ٹھہرے عجمی۔ اس لیے ہمیں سمجھنے کے لیے ترجمے اور تفسیر سے مدد لینی پڑتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تاریخ میں پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد آپ کے بیٹوں نے اُردو میں ترجمے کیے اور اس طرح تراجم کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ آج دنیا کی ستّر زبانوں میں قرآن کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اُردو ترجمے کی برکت ہے کہ قرآن کو سمجھنے والے زیادہ تر ہندوستان و پاکستان میں بستے ہیں۔ تفہیم القرآن ایک بہترین تفسیر ہے۔ اس لیے اپنے رفقاء کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ قرآن کو سمجھنے کے لیے تفہیم القرآن کا مطالعہ روزانہ بلا ناغہ کیا کریں۔ اگر ہمت کر کے لفظی ترجمہ بھی سیکھ لیں تو اور زیادہ فائدہ ہوگا۔

تدبُّر

تدبُّر کا مطلب یہ ہے کہ کسی امر میں سوچ بچار کرنا، اس کے نتائج پر غور کرنا، توجہ کرنا اور انتظام کرنا۔ قرآن کی تلاوت کے بعد اس کے معانی کا مطالعہ اور تفسیر کے سمجھنے سے ایک ذہنی نشوونما حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کے احکامات کی حکمت پر، اس کے منکرات کے نقصانات پر توجہ کی جائے اور غور وخوض کیا جائے تو بہت سی دانائی کی باتیں ذہن میں بیٹھ جاتی ہیں۔ قرآن کافروں کو بار بار دعوت دیتا ہے کہ اس قرآن کی آیات کو غور سے سنو، اس میں تمہارے فائدے کی باتیں ہیں۔

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾

(۲۹۔ص۔۳۸) یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق حاصل کریں۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ ﴿٢٤﴾

(۲۴۔محمد۔۴۷) کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا۔ یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔

غور وخوض سے ذہن میں بہت سے سوال آتے ہیں اور قرآن کا معجزہ ہے کہ وہ ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ مکے کے کافروں کو تو فوراً موقع پر ہی ہر سوال کا جواب مل جاتا تھا۔ لیکن ہمیں تھوڑی سی کاوش سے اپنے سوالوں کا جواب مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ قرآن تلاوت فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ تو شاعرانہ کلام ہے، تو قرآن نے فوراً جواب دیا کہ

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

(۴۱۔الحاقہ۔۶۹) اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔

اس مجلس میں دوسرا سوال اُٹھا کہ یہ تو کہانت ہے۔ جواب ملا

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

(۴۲۔الحاقہ۔۶۹) اور نہ یہ کسی کاہن کی بات ہے۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔

قرآن سے ہدایت لینے کے لیے لازمی ہے کہ اس کی آیات کریمہ پر غور کیا جائے۔ توجہ سے بات سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تو قرآن ہے لیکن عام مجلس میں موجود شخص کی توجہ گفتگو میں نہ ہو تو اسے بات سمجھ نہیں آتی اور اسے کہنا پڑتا ہے کہ بات کو دہرائیں، مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اس لیے حکم ہے کہ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ حاضرین کی توجہ سنانے والے کی طرف ہو۔ اگر بات سننے پر توجہ مرکوز نہ ہو تو اچھی اور قیمتی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔

فکر

فکر کے معنی ہیں کسی معاملے میں سوچ بچار کرنا، غور کرنا۔

جب مسلمان قرآن کی آیات میں غور کرتا ہے، سوچتا ہے تو بہت سے معانی، رموز، پندو نصائح اس کو سمجھ آجاتے ہیں۔ بہت سے دلائل سے ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ ارشادات الٰہی کی گہرائیوں میں ڈوب کر بہت سی دانائی حاصل ہوتی ہے۔ توحید، رسالت، آخرت کے مستحکم دلائل سے ایمان گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یقین کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ہر مشکل سے انسان کو باہر لے آتی ہے۔ عمل کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ زندگی کے مسائل میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ مدینۂ طیّبہ میں ۱۴۰۰ سال پہلے نازل ہونے والا حکم بالکل تازہ نظر آتا ہے اور تھوڑے سے غور و فکر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ آج ہی ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لیے آیا ہے۔ ماضی میں نازل ہونے والا قرآن حال اور مستقبل کے مسائل حل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آیات قرآنی پر تدبر و تفکر ہمارے روزمرہ کے مسائل کو آسان بنا دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴

(۴۴۔النحل۔۱۶)

پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا گیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اُتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ خود بھی غور کریں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝۲۴ اس طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں۔ (۲۴۔یونس۔۱۰)

ڈرنا

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى۝۳

ہم نے قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاددہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈر جائے۔ (۲۔۳۔طٰہٰ۔۲۰)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝۱۶

کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ (۱۶۔الحدید۔۵۷)

سورہ حدید کی اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن ہے۔ مراد یہ ہے کہ قرآن سن کر تمہارے دلوں کو ڈر جانا چاہیے۔ جب انسان قرآن پڑھتے ہوئے یہ خیال کرے کہ اسے نازل کرنے والا سب سے بڑا ہے اور اس کی طاقت بہت زیادہ ہے تو دل پر اثر ہوتا ہے۔ قرآن میں جب دوزخ کا ذکر آتا ہے، پرانی قوموں پر نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ ہوتا ہے تو دل کی کیفیت متاثر ہوتی ہے۔ اللہ کی کبریائی کا تصور اور انسان کی کم مائیگی کا احساس خشیت میں اضافہ کرتا ہے۔ امر واقعہ ہے کہ جب دل ڈر جائے تو اسے اپنے گناہوں کا احساس ہوتا ہے پھر انسان توبہ واستغفار کرتا ہے۔ قرآن کی واضح دلیلیں سن کر بھی اگر انسان متاثر نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مانتا ہی نہیں۔

دعوت و تبلیغ

وَمَنۡ أَحۡسَنُ قَوۡلٗا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحٗا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ﴿٣٣﴾ (۳۳۔حم السجدہ۔۴۱)

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾ (۶۷۔المائدہ۔۵)

اے پیغمبر ﷺ! جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ اٰیَةً.

میری طرف سے دوسروں تک پہنچاؤ خواہ قرآن کی ایک آیت ہی ہو۔ (بخاری)

مسلم بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ .

جس نے کسی کو نیک کام کرنے پر آمادہ کیا اس کو بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔ (بخاری)

ان آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور ایک ایک انسان تک اللہ کا پیغام پہنچانا پیغمبر ﷺ اور آپ کی اُمت پر فرض ہے۔ جس کے پاس جتنا علم ہے اتنا علم وہ آگے دوسروں تک ضرور پہنچائے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی اصلاح کرے یا نہ کرے، اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ وہ دینِ حق کو آگے لوگوں تک پہنچانے کی سعی مسلسل کرتے رہیں۔ مبلّغ کے لیے بہت بڑا عالم ہونا ضروری نہیں۔ ایک آدمی کو ایک آیت مل گئی تو گویا

اُسے ایک مسئلہ سمجھ آ گیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ یہ مسئلہ اب آگے دوسرے انسانوں تک ضرور پہنچاؤ۔ اللہ کی طرف دعوت دینا، اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا گو دو الگ الگ عمل ہیں لیکن مقصد کے نقطہ نظر سے ایک ہی کام ہے۔ اصل مطلب تو لوگوں کی اصلاح کرنا اور ان کی ہدایت کے لیے کام کرنا ہے۔

تبلیغ واشاعت کا کام دو طرح کا ہے۔

ابلاغِ عام

ابلاغِ عام میں مخاطب عوام الناس ہیں۔ ہر کس و ناکس تک قرآن کی دعوت کا اجمالی خاکہ پہنچایا جاتا ہے۔ توحید، رسالت، آخرت اور قرآن کی صداقت کے بنیادی دلائل چھوٹے چھوٹے فقروں میں عام انسانوں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ یہ کام جلسۂ عام میں بھی ہوسکتا ہے۔ اجتماع میں، مسجد کے خطبوں میں درسِ قرآن کے ذریعے اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بیٹھکوں میں بھی ہوسکتا ہے۔ اگر حالات اجازت دیں تو بستی کے ایک ایک مرد اور عورت تک اللہ کا پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ مجھ تک تو اللہ کا پیغام پہنچا نہیں تھا۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ دعوتِ عام میں قرآن کی مرکزی دعوت کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دعوت صرف زبانی کلامی پیغام نہیں ہونا چاہیے بلکہ داعی حق کو اپنے عمل و کردار سے بھی اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرنا چاہیے جسے قرآن شہادتِ حق کا نام دیتا ہے۔ یعنی دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کو قرآن کی عملی تفسیر اپنے کردار اور اخلاق سے پیش کرنی چاہیے۔ وہ لوگ جو صرف تبلیغ کرتے ہیں اور اسلام پر صحیح عمل نہیں کرتے اللہ کو ناپسند ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾
(۴۴۔البقرہ۔۲)

تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے۔

اس آیت کریمہ میں مبلّغین کے لیے بہت سخت وعید ہے۔ قیامت کے دن جہاں عوام

سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔

سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝٨ دوزخ کے داروغہ اُن سے سوال کریں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ (۸۔الملک۔۶۷)

وہیں مبلّغین سے بھی پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے عوام تک اللہ کا پیغام پہنچایا تھا۔ اگر پہنچایا تھا تو پورا اسلام پہنچایا تھا یا جزوی۔ اور یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے صرف زبانی تبلیغ کیوں کی؟ عمل اور کردار کے ذریعے لوگوں تک حق کیوں نہ پہنچایا؟ اس شہادتِ حق کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کے پاس اللہ کی دعوت پہنچائی جائے۔ زبانی کلام کے ذریعے بھی اور عمل و کردار کے ذریعے بھی۔

ابلاغِ خاص

دعوتِ عام کے نتیجے میں کچھ لوگ اصلاح پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو خصوصی انداز میں اسلام سمجھایا جاتا ہے، ان سے بار بار انفرادی ملاقاتیں کی جاتی ہیں، ان سے ایک مسلسل رابطہ رہتا ہے، ان کو قرآن با ترجمہ پڑھایا جاتا ہے، ان کے افکار کی اِصلاح کی جاتی ہے، ان کے عقائد کو صحیح کیا جاتا ہے، ان کو دین کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کے کردار اور اعمال کی درجہ بدرجہ اصلاح کی جاتی ہے۔ مسلسل رابطہ سے ان کو دینی کاموں میں دلچسپی لینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے ایک عام انسان مسلسل تعلیم و تربیت کے ذریعے دین کا ایک سپاہی بن جاتا ہے اور ایک اچھا شاگرد استاد سے بھی بڑھ کر اقامت دین کی جدوجہد میں آگے نکل جاتا ہے۔ ابلاغ خاص میں رجوع الی اللہ اور انابت حق کی بھرپور کوشش کی جاتی۔ مخلص لوگوں پر تھوڑی سی محنت بھی کر لی جائے تو وہ اچھے مسلمان بن جاتے ہیں۔ ابلاغ خاص ایک محنت طلب کام ہے۔ الجھے ہوئے ذہنوں کو صاف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ بعض اوقات تیس چالیس سال کی محنت اکارت جاتی ہے کہ جس شخص کو ابلاغ خاص کے لئے چنا گیا وہ مخلص نہ تھا۔ اس لئے ذاتی تعلیم و تربیت کے لئے کارکن

سازی کے اصولوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور ایسے لوگوں پر محنت کرنی چاہیے جو حق کے سچے طالب ہوں۔ ''ہدایت'' کے عنوان سے ہم نے ایک کتاب شائع کی ہے، اس میں ایک باب ہے کہ ہدایت کن کو ملتی ہے۔ جن لوگوں میں ہدایت پانے کی صلاحیتیں موجود ہوں ان پر محنت مفید ہوتی ہے اور اچھے اچھے لوگ تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ابلاغ خاص میں مبلّغ کو اتنا دانا ضرور ہونا چاہیے کہ وہ پہچان سکے کہ اس کی بات کا کوئی اثر ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان پتھروں سے سر ٹکراتا رہے اس اُمید پر کہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ ابلاغ خاص میں بڑی حکمت، جانفشانی اور لگن کی ضرورت ہے اور ابلاغ عام سے یہ زیادہ مشکل کام ہے۔ کالے کوّے کو ہنس بنانا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن اس سے مفر بھی نہیں، کرنے کا کام بھی یہی ہے۔ اس معاشرے میں بکھرے ہوئے ہزاروں موتی تلاش کرنا اسلام کی ضرورت ہے۔ قرآن کی دعوت آگے جاری رہنی چاہیے۔

آج ہم لوگوں کو سمجھا رہے ہیں، کل کو ہمارے شاگرد اس کام کو جاری رکھیں گے، ان شاء اللہ۔

ہمیں بھی تو کسی نے سمجھایا ہے۔ اس لیے مبلّغین کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ کے لیے کارکن تیار کریں، اُن کی علمی اور عملی تربیت کریں۔

ابلاغِ عام اور ابلاغِ خاص کا سلسلہ جاری وساری رہنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم تک تو حق پہنچا ہی نہیں تھا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

(۱۶۵۔النساء۔۴)

یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا حکیم ودانا ہے۔

تذکیر

ذَکَّـرَ ۔ تَذْکِیرٌ کے معنی ہیں یاددہانی کرانا، بھولی ہوئی بات کو یاد دلانا، نصیحت کرنا، وعظ کرنا اور دلیل دینا۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

(۴۵۔ق۔۵۰)

(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ جو باتیں بنارہے ہیں، انہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔ بس تم اس قرآن کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرو جو میری تنبیہہ سے ڈرے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾

(۲۹۔الطّور۔۵۲)

پس اے نبی ﷺ! تم نصیحت کئے جاؤ۔ اپنے ربّ کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا ﴿۱۹﴾

(۱۹۔المزمل۔۷۳)

یہ قرآن ایک یاد دہانی ہے۔ پس جس کا جی چاہے اپنے ربّ کی راہ اختیار کرلے۔

قرآن کا یہ حق ہے کہ اس کی نصیحت ہر خاص وعام کو کی جائے۔ قرآن نے ہدایت کی باتیں کھول کھول کر بیان کی ہیں۔ ماضی کے واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ آئندہ آنے والے واقعات کی بھی تفصیلات بیان کردی ہیں۔ ان واقعات میں پوشیدہ اسباق کی بھی نشان دہی کی ہے۔ نیکی اور بدی میں جاری کشمکش کو بڑی وضاحت سے بیان کرکے نیکی کے فوائد اور برائی کے نقصانات بتادیئے ہیں۔ نصیحت کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ عالم ارواح میں ہونے والے معاہدوں کا ذکر کرکے انسان کو بھولی ہوئی باتیں یاد کرائی ہیں۔ انسان کی فطرت میں چھپے ہوئے توحید کے اقرار کو اُجاگر کرنے کے دلائل دیئے ہیں۔ مصیبتوں میں جب یہ مشرک لوگ اللہ کو پکارتے ہیں تو قرآن ان کو یاد دلاتا ہے کہ رات کی تاریکیوں میں، سمندر کے طوفانوں میں تم

کس کو پکارتے ہو؟ دلائل کے ساتھ انسانوں کو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ جب خالق مان رہے ہو تو مالک اور بادشاہ کیوں نہیں مانتے؟ یاددہانی کا اصل مقصود یہ ہے کہ انسان کے قلب پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں ان کو ہٹا کر بندگی ٔ ربّ کی طرف لایا جائے۔

ماضی میں ہونے والے واقعات میں دونوں پہلو بیان کئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور دیگر معروف پیغمبروں کی کامیابیوں اور نمرود اور فرعون جیسے ظالموں کی ناکامیوں کا تذکرہ کر کے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلط خیالات اور بُرے اعمال کی اصلاح کرے۔ عاد و ثمود کی تباہ کاریاں بیان کر کے انسانوں کو عبرت دلائی گئی ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ (۲۔الحشر۔۵۹) پس عبرت حاصل کرو، اے دیدۂ بینا رکھنے والو!

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ (۴۴۔النور۔۲۴) رات اور دن کا اُلٹ پھیر وہی کر رہا ہے۔ اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔

جنت اور دوزخ کے احوال بیان کر کے مستقبل کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دن اور رات کے بدلتے احوال اور موسموں کی طرف توجہ دلا کر نصیحت کی گئی ہے کہ کھلی آنکھوں سے ماضی کی تاریخ، کھنڈرات اور واقعات کی طرف دیکھ کر غور کرو اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔

قرآن تو دلائل اور یاددہانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم نصیحت قبول کریں۔ گناہوں کی معافی مانگیں اور توبہ کریں۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ (۵۵۔الذاریات۔۵۱) البتہ نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لیے نافع ہے۔

تذکیر میں آزادی

ہمارا کام انسانوں تک قرآن کی دعوت پہنچا دینا ہے۔ آگے ماننا یا نہ ماننا ان کا کام

ہے۔ جو دعوت قبول کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا۔ جو دعوت سے چشم پوشی کرے گا اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی اور خود مختاری دی ہے اور قیامت کے دن اس آزادی کا حساب ہوگا کہ انسان نے اپنے اختیارِ آزادی کو صحیح استعمال کیا یا غلط۔ تذکیر کرنے والے نے دلائل دے دیئے، بات سمجھا دی، قرآنی آیات کی تشریح کر دی، بات کو سمجھ کر اپنی اصلاح کرنا سننے والوں کا اپنا کام ہے۔

إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾

یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے اپنے ربّ کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے۔ (۲۹۔الدھر۔۷۶)

مبلّغ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں زبردستی ایک بات ڈال دے۔ مبلّغ اپنے اندازِ تبلیغ میں اصلاح کرے گا کہ وہ اچھے انداز میں بات سمجھا دے۔ دلیل کو مؤثر بنانے کی کوشش کرے گا، اپنا لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کرے گا، سوز و گداز سے بات کرے گا۔ الغرض وہ تمام اقدامات کرے گا جس سے بات سمجھانے میں آسانی ہو اور سمجھنے والے آسانی سے سمجھ جائیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اُمتی کو یہ ذمّہ داری نہیں دی گئی کہ وہ لوگوں پر حوالدار بن کر زبردستی ان کو ہدایت دے۔ چنانچہ قرآن اس بارے میں بالکل واضح احکامات دیتا ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

اچھا تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! نصیحت کئے جاؤ۔ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو۔ کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔ (۲۱۔۲۲۔الغاشیہ۔۸۸)

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ لِلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

ہم نے سب انسانوں کے لیے یہ کتاب برحق تم پر نازل کر دی ہے۔ اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا، تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔ (۴۱۔الزمر۔۳۹)

تذکیر کے انداز اوراس کے الفاظ ومعانی میں یہ بات شامل ہے کہ نصیحت کرنے والا خیرخواہی سے بات کرے۔کسی کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانا اسی لیے تو ہے کہ سننے والا شخص اس عذاب سے بچ جائے۔ جنت کی تفصیلات بیان کرنے کا مقصود یہی ہے کہ سننے والا جنت میں چلا جائے۔تذکیر کے ساتھ ترغیب بھی شامل ہوتی ہے،خیرخواہی کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔اب یہ سننے والے کے اپنے خلوص کا امتحان ہے کہ وہ خیرخواہی کی بات کو کس حد تک قبول کرتا ہے۔البتہ قبول کرنے یا نہ کرنے کی اسے آزادی ہے۔ یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے کہ جو خیرخواہ کی بات مان لیتا ہے وہ فائدے میں رہتا ہے۔

قرآن سے نصیحت حاصل کرنا آسان ہے

سورۃ القمر کا مرکزی مضمون ہی یہ ہے کہ نصیحت کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں مگر اُن میں سے آسان ترین قرآن ہے۔اس سورہ میں یہ آیت بار بار آئی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے۔پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ (۱۷۔القمر۔۵۴)

قرآن کی عربی عام فہم ہے۔ اس کی مثالیں سادہ اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات سے لی گئی ہیں۔عذاب بھی نصیحت کا ایک طریقہ ہے لیکن تباہ ہوجانے والی قوم کے پاس نصیحت حاصل کرنے کا وقت نہیں بچتا۔فرعون اور عاد وثمود پر جب عذاب آیا تو چند لمحات میں ختم ہوگئے۔ بیماری، جنگ، بھوک اور پیاس بھی نصیحت کرنے کے ذرائع ہیں لیکن ان سب سے زیادہ آسان قرآن کی زبان ہے۔آج بھی ایک جاہل اوراَن پڑھ انسان کسی عالم کے پاس بیٹھ کر اس کا درسِ قرآن سنے تو اسے بھی آسانی سے قرآن سمجھ آ جاتا ہے۔ پڑھے لکھے جوان کے لیے تو قرآن کو سمجھنا اور بھی آسان ہے۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

(اے نبی ﷺ!) ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں آسان بنا دیا ہے۔ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (۵۸۔الدخان۔۴۴)

تذکیر اور عقل مندی

عقل کے معنی ہیں، دانائی، سمجھداری، غور کرنا اور حکمت حاصل کرنا۔ تذکیر کے دو پہلو ہیں اور دونوں میں عقل کی ضرورت ہے۔ ایک مُذَکّرِ یعنی نصیحت کرنے والا شخص ہے اور دوسرا نصیحت سننے والا۔ دونوں کا عقل مند ہونا ضروری ہے۔ عقل مند انسان اچھے انداز میں بات سمجھا سکتا ہے، عمدہ دلائل دے سکتا۔ ڈنڈے مار تبلیغ سے کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ

(اے نبی ﷺ!) اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے ایسے طریقے سے مباحثہ کرو جو بہترین ہو۔ (۱۲۵۔النحل۔۱۶)

اس لیے ضروری ہے کہ سمجھدار لوگ فریضۂ تذکیر ادا کریں۔ اپنی طرف سے دلائل تشکیل نہ دیں بلکہ وہ دلائل فراہم کریں جو خود قرآن نے دیئے ہیں۔ دوسرے اپنی زبان کو بھی سادہ اور عام فہم رکھیں۔ اپنے علم کا رعب ڈالنے کی بجائے سوز اور اخلاص سے بات کریں تا کہ دوسروں کی عقل کو اپیل کیا جا سکے۔ جذبات کو اپیل کرنے کی بجائے عقل کو مستعد کرنے سے اندازِ تذکیر مفید ہو سکتا ہے۔ عذاب الٰہی سے ڈرانا بھی چاہیے لیکن دلیل میں خیر خواہی اور سوجھ بوجھ شامل ہونا ضروری ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ عقل مند انسان زیادہ لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ جاہل، اُجڈ اور ضدّی مبلّغ سے لوگ دور بھاگتے ہیں اور تذکیر کا حق صحیح انداز میں ادا نہیں ہوتا۔ بات کرتے وقت لوگوں کے اوقات، مصروفیات اور اشغال کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ حکمت تبلیغ

ایک وسیع مضمون ہے۔ ہر مبلّغ کو چاہیے کہ وہ عقل مندی بھی سیکھے۔

دوسری طرف سننے والے کے پاس بھی عقل کا ہونا ضروری ہے۔ جب وہ سوچے سمجھے گا تو پھر اسے قرآن کی بات سمجھ آئے گی۔ جب تک قرآن پر تدبر نہ کیا جائے، بات دماغ سے نکل جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن عقل مندوں کو توجہ دلاتا ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾

(۱۹۔الرعد۔۱۳)

بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے ربّ کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی اس کتاب کو حق جانتا ہے اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں۔ نصیحت صرف عقلمند لوگ حاصل کرتے ہیں۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

(۲۹۔ص۔۳۸)

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔

وہ شخص عقلمند ہے جو کامیابی کی راہ کا انتخاب کرے۔ بروقت فیصلہ کر کے اپنے کردار اور اخلاق کی اصلاح کرے۔ وہ شخص بے وقوف ہے جو خیر خواہ کی بات پر توجہ نہیں دیتا بلکہ ضد، ہٹ دھرمی، شک اور تردّد میں وقت ضائع کر دیتا ہے۔ نصیحت کرنے والے روز روز ہر شخص کے پاس نہیں جاتے۔ وہ مصروف لوگ ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کو سمجھاتے رہیں۔ ابلاغ عام کا تقاضا ہے کہ ہر کس وناکس تک جلد از جلد پیغام پہنچا دیا جائے۔ اس لیے مبلّغ حضرات عام انسانوں کو سمجھانے کے لیے تھوڑا وقت نکالتے ہیں۔ اب یہ عقل مند سننے والے کا کام ہے کہ اس کے پاس دعوتِ حق آ گئی، وہ اس پر تدبر کرے، بات کو پرکھے اور حق کو قبول کر کے اہل حق کے ساتھ جڑ جائے۔ جو شخص عقل مندوں کی مجلس میں مستقل شریک ہوتا رہے اُس کی اپنی عقل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے لیے قرآن کی تذکیر اور ہدایت سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وقت ضائع نہ کیا جائے۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو، یہ

مشہور محاورہ ہے۔ آج عقل مند کے پاس قرآن کی تذکیر آ گئی، اُسے کل کے لیے چھوڑ نے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنا فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ عقل مندی کی بات کو حاصل کرنے کا وقت گزر گیا، بداعمالیوں کا نتیجہ بھگتنے کا وقت آ گیا۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل؟ بے وقوف انسان چالاکی ظاہر کر کے ایک وقت میں اپنے آپ کو سیانا اور عقل مند ظاہر کرتا ہے۔ لیکن جب نقصان اُٹھانے کا وقت آتا ہے تو پھر روتا ہے، افسوس کرتا ہے کہ میں نے سیانے کی بات کیوں نہ مانی۔ قرآن صراحت کرتا ہے کہ لوگ قیامت کے دن پچھتائیں گے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

اور اس دن ظالم انسان اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا اور کہے گا، کاش! میں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی! کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۷۔۲۸۔الفرقان۔۲۵)

عقل کی ضرورت صرف آخرت کے لیے نہیں بلکہ اس دنیا کے لیے بھی ہے۔ کھانا تو ہر شخص کھاتا ہے لیکن علم و عقل سے کھانے اور بے وقوفی سے کھانے میں بڑا فرق ہے۔ عقل کی ضرورت صرف ہدایت کے لیے ہی نہیں بلکہ روزمرہ کاروبار، گاڑی میں سفر کرنے، نہانے اور کپڑے بدلنے کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جسے عقل مل گئی اسے بہت کچھ مل گیا۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ (۲۶۹۔البقرہ۔۲)

تذکیرِ خاص

ابلاغِ خاص، انابت، اعتصام اور خشیت کی بات ہو چکی ہے یہاں دُہرانا ضروری

نہیں۔لیکن ایک بات کی یاددہانی ضروری ہے کہ تعلیم وتربیت کے نقطۂ نظر سے یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس شخص پر محنت کی جائے جو اصلاح قبول کرے۔ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی تذکیر کی اور ابوجہل کو بھی بار بار سمجھایا۔لیکن اصلاح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوئی۔اس لیے نصیحت کرتے وقت قبولیت کی استعداد کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس شخص پر ہماری بات کتنا اثر کرے گی۔لیکن بار بار ملاقاتوں میں یہ تجزیہ ضروری ہے کہ مخاطب پر نصیحت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ جس پر نصیحت کا اثر تھوڑا ہو، اُسے ابلاغِ عام کے ذریعے توحید، رسالت، آخرت اور قرآن کے دلائل دے کر حجت قائم کرنی چاہیے اور جس پر بات کا اثر ہوتا نظر آئے اسے تذکیر خاص کرنی چاہیے۔

فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۝٩ لہٰذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو۔

(۹۔الاعلیٰ۔۸۷)

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝٧٣ رحمان کے اصل بندے وہ ہیں کہ جنہیں اگر ان کے ربّ کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے (یعنی گہرا اثر قبول کرتے ہیں)۔

(۷۳۔الفرقان۔۲۵)

تذکیر، تبلیغ، دعوت، توجہ کی باتیں اس شخص پر اثر کرتی ہیں جو آنکھ اور کان کو کھلا رکھے اور بات سننے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے تیار رہے۔ارشادِ ربّانی ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝٣٧ اس تاریخ میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو یا توجہ سے بات کو سنے اور اس پر گواہ رہے۔

(۳۷۔ق۔۵۰)

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝١٢ تاکہ طوفان کے اس واقعہ کو تمہارے لیے ایک سبق آموز یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد کو محفوظ رکھیں۔

(۱۲۔الحاقۃ۔۶۹)

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ﴿۷۳﴾ ہم نے اس کو یاددہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے سامان زیست بنا دیا ہے۔ (۷۳۔الواقعہ۔۵۶)

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴿۴۸﴾ اور درحقیقت یہ پرہیزگاروں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ (۴۸۔الحاقۃ۔۶۹)

تذکیر خاص اسے فائدہ دے گی جو بات پر توجہ دے کر اپنے احوال کو بھی درست کرے، اللہ سے ڈر کر اپنی اصلاح کرے اور مجاہد فی سبیل اللہ بن کر قرآن کو عروج اور اقامتِ دین کے استحکام کا ذریعہ بنائے۔

قرآن کی حفاظت

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت میں آج تک محفوظ ہے۔ جس طرح اور جتنا یہ نبی ﷺ پر اُترا اُتنا آج بھی محفوظ ہے۔ اس کی ترتیب وہی ہے جو نبی ﷺ نے مرتّب کی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ اس کے لاکھوں نسخے طبع شدہ موجود ہیں اور ان میں ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی طباعت کی غلطی سہواً نکل آئے تو اس کی اصلاح کرنے والے سیکڑوں نہیں ہزاروں افراد ایک ایک شہر میں موجود ہیں۔ ہر شخص جو روزانہ پڑھتا ہے وہ املا کی غلطیاں نکال سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والا ایک نسخہ آج بھی تاشقند میں جزواً محفوظ ہے۔ قرآن کے مقابلے میں توراۃ، زبور اور انجیل کے اصل نسخے تاریخ کے ساتھ گم ہو چکے ہیں بلکہ ان کی زبانیں تک محفوظ نہیں اور دنیا میں ایک بھی نسخہ ایسا موجود نہیں جسے یہودی یا عیسائی کہہ سکیں کہ یہ اصل نسخہ ہے۔ جو بائبل اس وقت دنیا میں ملتی ہے وہ ایک تاریخ ہے جس میں انبیاؑ کی تعلیمات کا بھی ذکر ہے اور جسے ماننے والے علمائے بنی اسرائیل اور عیسائی پادریوں نے مرتب کیا ہے اور اس کے بیانات متضاد ہیں۔ بائبل میں وحی، کلام رسول، تاریخ، سیرت الانبیاؑ اور احکاماتِ قانون سب کو یک جا کر دیا گیا ہے اور یہ تحریر کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں نے لکھی ہے۔ بلکہ لکھنے والوں کا بھی پتہ نہیں کہ وہ کس پائے کے لوگ تھے۔ قرآن کی حفاظت اور اپنی

اصلی حالت میں قائم رہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور اس کی حفاظت کا ٹھوس اہتمام ارشاداتِ رسول میں موجود ہے۔ اس پہلو میں ارشاداتِ خداوندی اور احکاماتِ رسول کو درج کیا جاتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ حقیقت یہ ہے کہ اس ذکر (قرآن) کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (۹۔الحجر۔۱۵)

اللہ کی اس حفاظت کا اہتمام مختلف مواقع پر صاف نظر آتا ہے۔ سب سے پہلا اہتمام نزولِ وحی کے وقت کیا گیا کہ آسمانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے کہ شیاطین دخل اندازی نہ کر سکیں۔ نزولِ وحی کا یہ اہتمام سابق انبیؑا کے زمانے میں بھی ہوتا رہا ہے لیکن نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہ اہتمام زیادہ سخت کر دیا گیا تھا۔ جنّات کی ایک جماعت قرآن سنتی ہے اور اظہار کرتی ہے کہ :

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا ۝ (۸۔۹۔الجن۔۷۲)

اور یہ کہ ''ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے'' اور یہ کہ ''پہلے ہم سن گن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں ایک شہاب ثاقب لگا ہوا پاتا ہے''۔

نبی کریم ﷺ کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ اس لیے جو قرآن سنتے یاد رکھتے۔ ایک دفعہ کا سنا ہوا ساری عمر نہیں بھولا۔ نسیان ایک انسانی کمزوری ہے اس لیے نسیان سے بچنے کے لیے خصوصی اہتمام یہ کیا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال ماہ رمضان میں روزانہ تشریف لاتے اور جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا اس کی منزل دہراتے۔ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام پڑھتے اور نبی ﷺ سنتے دوسری دفعہ حضرت نبی کریم ﷺ پڑھتے اور حضرت جبریل علیہ السلام سنتے۔ یہ عمل سارے رمضان شریف میں جاری رہتا۔ اس سنت کو حفاظ کرام دہراتے ہیں اور ہر رمضان میں تراویح میں پورا قرآن سناتے ہیں۔

دوسرا اہم ترین طریقہ یہ ہے کہ اسے یاد کرنا آسان بنا دیا گیا ہے اور مسلمانوں میں یہ شوق پیدا کر دیا گیا ہے کہ وہ اسے زبانی یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے ملک میں کوئی خاندان بھی ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی حافظ قرآن نہ ہو۔ ایک ایک بستی میں دس بارہ حفاظ کرام مل جاتے ہیں۔ شہروں میں اور دیہات میں مسجدوں کے ساتھ ملحق قرآن کو حفظ کرنے اور تعلیم دینے کے مدرسے بنے ہوتے ہیں۔ مسلمان بچوں میں بھی حفظِ قرآن کا بہت شوق پایا جاتا ہے۔ قرآن کو حفظ کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی فضیلت احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا. (احمد)

کہ آخرت میں قرآن کے حافظ سے کہا جائے گا کہ تو قرآن کو پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا، اُسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ جنت میں تیری آخری منزل قرآن کی آخری آیت پر ہوگی۔

معاذ رضی اللہ عنہ بن الجھنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْئُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا. (احمد)

جو شخص قرآن کو پڑھے اور جو چیز اس میں ہے اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو تاج پہنچایا جائے گا اور اس کی روشنی دنیا کے آفتاب سے اچھی ہوگی جب کہ یہ فرض کرلیا جائے کہ سورج تمہارے گھروں کے اندر روشن ہے پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ جب ماں باپ کا یہ درجہ ہوگا تو خود اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جس نے قرآن پر عمل کیا ہوگا۔

ان احادیث میں جہاں قرآن کو پڑھنے اور حفظ کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے وہاں ایک اہم نقطہ اور بھی بیان ہوا ہے کہ قرآن کے احکامات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور قرآن کے حلال کو حلال وہی سمجھ سکتا ہے جو قرآن کے معانی اور مفہوم سے آشنا ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ جہاں ہم اپنے بچوں کو قرآن زبانی حفظ کراتے ہیں وہاں قرآن کا ترجمہ، تفسیر اور ضروری علمی مسائل بھی بچوں کو سمجھائیں تاکہ وہ قرآن میں تدبر و تفکر کرکے اپنی عملی زندگی کی اصلاح کرسکیں۔ صرف زبانی قرآن یاد کرکے پڑھنے کی فضیلت اسی وقت آشکار ہوگی جب اس کے ساتھ عمل صالح بھی شامل ہوگا۔ بغیر سوچے سمجھے پڑھنے کا وہ اجروثواب نہیں ہوتا، جو اِن احادیث میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کو یاد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہر نماز میں قرآن کی تلاوت لازمی ہے۔ کم ازکم سورۃ الفاتحہ اور چار چھوٹی سورتیں تو یاد کرنی ہی پڑیں گی۔ ورنہ نماز اُدھوری رہ جانے کا خطرہ ہے۔

قرآن کی حفاظت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کی تجوید اور الفاظ کی ادائیگی بھی لغت کے قواعد کے مطابق ہو۔ قرآن کے الفاظ کو اگر غلط تلفّظ سے ادا کیا جائے تو اس کے معانی بدل جاتے ہیں جس پر ثواب کی بجائے اُلٹا گناہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کو پڑھتے وقت اس کی زیر زبر کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً الفاتحہ میں ایک لفظ آتا ہے اَنۡعَمۡتَ اگر اس لفظ کی ت پر زبر کی بجائے پیش پڑھ دی جائے تو لفظ بدل جائے گا اور معنی بھی تبدیل ہوجائیں گے جس پر پڑھنے والے کو گناہ ہوگا۔ جو لوگ بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں ان کو چاہیے کہ تجوید کے قواعد کے ساتھ ساتھ تلفظ کی صحیح ادائیگی بھی سکھائیں۔ یہ خدا کا خاص احسان ہے کہ قرآن میں ایک زیر زبر کی غلطی کی بھی گنجائش نہیں اور چودہ سو سال سے اُمت بڑی سختی سے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کرتی چلی آرہی ہے۔ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِیۡ غَیۡرِ الۡمُصۡحَفِ اَلۡفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِی الۡمُصۡحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰی ذَالِکَ اِلٰی اَلۡفَیۡ دَرَجَةٍ.

لکھی ہوئی کتاب کو دیکھے بغیر حفظ سے قرآن پڑھنے کا ثواب ایک ہزار درجے رکھتا ہے اور لکھے ہوئے مصحف سے دیکھ کر پڑھنے کا ثواب دوگنا یعنی دو ہزار درجے تک ہے۔ (المشکوٰۃ)

احترام

کسی شخص کے ادب واحترام کو عربی میں تکریم کہتے ہیں۔قابل عزت شخص کو کریم اور مکرَّم کہتے ہیں۔قرآن کے ناموں میں سے ایک نام قرآن کریم بھی ہے۔یعنی یہ ایک قابل ادب و احترام کتاب ہے۔اس لیے لوگ اسے اونچی جگہ پر یا الماری میں رکھتے ہیں۔غلاف کا استعمال بھی اس کے ادب میں اضافہ کرتا ہے۔جب کوئی شخص قرآن پڑھ رہا ہو تو اس شخص کو سلام نہیں کرنا چاہیے یہ بھی قرآن کی بے ادبی میں شامل ہے۔اسی طرح اگر کوئی استاد درس قرآن دے رہا ہو تو اسے توجہ سے سننا چاہیے اور بلند آواز سے شور کرنا حتیٰ کہ سلام دعا کا پکارنا بھی منع ہے۔قرآن کے ادب واحترام کا تقاضا ہے کہ اس کی تعلیم وتدریس کے نظام میں خلل نہ ڈالا جائے۔کفار کی عادت تھی کہ جب نبی کریم ﷺ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے تو وہ شوروغل مچایا کرتے تھے۔اسلام نے مسلمانوں کو قرآن کی عزت واحترام کا حکم دیا ہے کہ قرآن کی تلاوت، درس وتدریس یا تعلیم کے وقت خاموشی سے سنو اور بے ادبی نہ کرو۔

چھونا

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾

یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے جسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ (۷۷تا۷۹۔الواقعہ۔۵۶)

علما نے ان آیات کی ایک تفسیر یہ بیان کی ہے کہ لوح محفوظ سے نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے تک اسے صرف پاک فرشتے ہی چھوتے ہیں اور شیطان یا ناپاک نفس اسے ہاتھ نہیں لگاتا ہے اور اس کی حفاظت پر فرشتے مامور ہیں۔

اس طرح قرآن کے الفاظ ومعانی کی حفاظت اور اس کے برحق نزول کی نگرانی پاک فرشتوں کے ہاتھ میں ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس قرآن کے مصحف یعنی (کتاب) کو ناپاک آدمی نہیں چھو

سکتا۔ جُنُبی شخص، حائضہ عورت، اور بے وضو انسان کو قرآن کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ

لَایَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّاطَاھِرٌ. کوئی شخص قرآن کو نہ چھوئے مگر پا کیزگی کی حالت میں۔ (موطاامام مالک)

تلاوت قرآن سے پہلے وضو کرنا لازم ہے جس طرح کہ نماز سے پہلے وضو لازم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بغیر کتاب کو چھوئے زبانی تلاوت کرنا چاہے تو اس کے لیے وضو لازم نہیں ہے، وہ بغیر وضو کے بھی زبانی تلاوت کر سکتا ہے۔ البتہ ایسے شخص پر اگر غسل واجب ہو تو پھر حالت جنابت میں قرآن کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ یہی حکم حائضہ عورت کے لیے ہے۔ نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔

طالب علموں کو رعایت ہے کہ وہ وضو کر کے پڑھنا شروع کر دیں اور دوران تعلیم اگر وضو ٹوٹ جائے تو چھونے کی اجازت ہے۔ تفسیر میں اگر کوئی آیت درج ہو یا اخبار یا رسالے میں کوئی آیت درج ہو تو بعض علما کے نزدیک اسے بے وضو چھونا جائز ہے۔

رعایت اور اجازت کی ایک محدود شکل کے علاوہ عام معمول کی زندگی میں بے وضو قرآن کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

اقامتِ دین

قرآن میں جہاں رہنمائی، نصیحت، عقائد، خوش خبری اور ڈراوا ہے وہاں اس میں قانون اور ضابطۂ حیات کا بھی بیان موجود ہے۔ اس لیے قرآن کے حقوق میں یہ اہم حق بھی شامل ہے کہ اس کے قانون کی فرد اور معاشرہ پابندی کرے۔ اپنے رسم و رواج، کاروبار اور طرزِ معاشرت و سیاست ہر جگہ دین کے قوانین کو نافذ اور قائم کیا جائے۔ قانون کو عربی میں شریعت کہتے ہیں۔ اسلامی شریعت کو ملک کا رائج الوقت قانون بنانا اقامتِ دین کہلاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (۱۳۔الشوریٰ۔۴۲)

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

اقامت دین کا اطلاق پوری زندگی پر ہوتا ہے۔ قرآن کے چند احکامات کی پابندی اور باقی سے اعراض جائز نہیں ہے۔ قرآن کے تمام احکامات کو پوری زندگی میں قائم کرنے سے ہی اس کا پورا پورا حق ادا ہوگا۔

تکمیل دین

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (۳۔المائدہ۔۵)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا ہے۔

یہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقع پر نازل ہوئیں۔ ان میں نعمت سے مراد یہ قرآن کریم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ جوں جوں قرآن نازل ہوتا رہا اس کے احکامات پر عمل ہوتا رہا۔ اِدھر قرآن کا نزول مکمل ہو گیا اُدھر اس دین کے عملی نفاذ اور

اقامت کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ یہ دین کی تکمیل قرآن کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہے۔آج ہمارے ہاں دین پر مکمل عمل درآمد نہیں ہو رہا۔عوام انفرادی طور پر اور حکومت اور معاشرہ اجتماعی طور پر نا مکمل دین پر عمل کرتے ہیں۔آج کی دنیا میں کسی ایک مسلمان ملک میں بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کی طرز پر مکمل اسلام نافذ و قائم نہیں ہے۔

آخرت میں کامیابی کے لیے مکمل اسلام پر عمل درآمد ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(۲۰۸۔البقرہ۔۲)

ہدایت کے لیے اور زندگی کے عملی مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن کافی ہے۔قرآن زندگی کے جملہ احوال میں رہنمائی کرتا ہے۔اس لیے عمل کرتے وقت قرآن کے تمام احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ایک فرد کی حیثیت سے بھی قرآن پر مکمل عمل کرنا چاہیے اور حکومت اور معاشرے کی سطح پر بھی قرآن پر مکمل عمل ضروری ہے۔تکمیل دین، تکمیل قرآن سے ہم آہنگ ہے۔ دونوں کو جدا کرنا اور جزئیات پر راضی رہنا غلط اور نقصان دہ ہے۔

ذکر کے باب میں بھی یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سارا دن ذکر کرتے رہنا اور باقی قرآن کے احکامات پر عمل نہ کرنا آخرت کے نقطۂ نظر سے مفید نہیں ہے۔دنیا میں تو نیت کے مطابق اجر مل جائے گا لیکن آخرت میں اجر کے لیے ذکر کے ساتھ باقی فرائض کو ادا کرنا لازمی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سارا دن ذکر میں مصروف ہیں اور دائم ذکر سے اگلی منزل دائم حضوری میں پہنچ گئے ہیں اس لیے ہم سے باقی فرائض ساقط ہو گئے ہیں، چونکہ ہم ذکر اسم ذات میں مداومت حاصل کر چکے ہیں اس لیے اب ہم پر نماز بھی فرض نہیں رہی، ایسے لوگ سخت گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

نماز کے وقت پر نماز، کاروبار کے وقت پر کاروبار، ماں باپ کی خدمت کے وقت پر خدمت اور ذکر اسم ذات کے وقت پر ذکر کرنے سے مداومت حاصل ہوتی ہے۔سارے فرائض ہی ادا کرنے سے دین مکمل ہوتا ہے۔سارے ہی گناہ چھوڑنے سے دین مکمل ہوتا ہے۔قرآن کے ایک حکم پر عمل کرنا اور باقی احکامات کو چھوڑ دینا آخرت کی میزان کے پلڑوں میں خسارے کا باعث ہوگا۔

ذکر بھی وہی مفید ہے جو پورے اسلام کا ایک حصہ ہو۔دین کو اپنی زندگی میں مکمل کرنا لازم ہے۔اگر ملک پر اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی تو اس چھ فٹ جسم پر تو اسلامی حکومت قائم ہوسکتی ہے۔جو شخص ذکر کی بلندیوں تک جانا چاہتا ہے اس کو شریعت کے زینے کی ضرورت ہے اور جب سیڑھی مکمل ہوگی بلندی تک پہنچ جائے گا۔ذکر اور تکمیل دین کا رشتہ دل اور آنکھوں کا رشتہ ہے۔

نماز

قرآن نے نماز کو بھی ذکر کہا ہے۔جس طرح قرآن ذکر ہے اسی طرح نماز بھی ذکر ہے بلکہ نماز ذکر کی بہترین شکل ہے۔ایک شخص نماز کا تارک ہے اور ہاتھ میں تسبیح پکڑے ہر وقت اللہ اللہ کرتا رہتا ہے، ایسا شخص حکمِ خدا کی واضح نافرمانی کررہا ہے۔کچھ لوگ دائم ذکر میں مصروف رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نماز ہی پڑھ رہے ہیں اور وہ لوگ جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر نماز ادا نہیں کرتے، کچھ لوگ ہر نیک کام کو نماز ہی سمجھ لیتے ہیں، یہ سب ان لوگوں کے اپنے اپنے خیالات ہیں۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس خودساختہ دین سے بریٔ الذمہ ہے۔خدا کے نازل کردہ دین میں نماز ایک اہم فریضہ ہے اس کو جان بوجھ کر ادا نہ کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ بے نماز کا ذکر اور تسبیح وتہلیل دربارِ الٰہی میں منظور نہیں کیا جاتا۔

اگرچہ قرآن نے نماز کو بھی ذکر کہا ہے لیکن نماز ایک ہیئت کا نام ہے۔اس میں قیام، رکوع، سجدہ، اذان اور جماعت نماز کے اجزا ہیں۔نماز کی شکل سے انحراف کی بالکل گنجائش نہیں۔

دائم ذکر کا اپنا مقام ہے اور نماز الگ سے ایک فریضہ ہے، دونوں کو گڈ مڈ کر کے دین میں ترمیم یا اضافہ کرنا گناہ ہے۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں حکم ملا کہ

إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ ﴿١٤﴾	میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ (۱۴۔طٰہٰ۔۲۰)
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم حاصل ہو جائے۔

(۹۔الجمعہ۔۶۲)

نماز کی فکر، ذوق وشوق سے تیاری کرنا، نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا، وضو، طہارت، تسبیحات، خشوع وخضوع، توجہ اور وقت کی پابندی یہ سب نماز کے حصے ہیں اور سب ذکر ہیں۔ لوگوں کو نماز کی دعوت دینا، جاہلوں کو نماز کی تعلیم دینا، خود سیکھنا دوسروں کو سکھانا سب اعمال ذکر الٰہی کے ضمن میں آتے ہیں۔

نماز با جماعت ادا کرنی چاہیے اور پانچ وقت کی نماز ہر بالغ عاقل مسلمان پر فرض ہے۔ قرآن نے بار بار نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

نماز کے اوقات

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔ نزول وحی کے دن ہی ظہر اور عشا کی نماز کا حکم دے دیا گیا تھا۔

وَٱذْكُرِ ٱسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾	اپنے ربّ کا نام صبح وشام یاد کرو۔ رات کو بھی

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اس کے حضور سجدہ ریز ہو۔ رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۲۵۔۲۶۔الدھر۔۷۶)

بکرہ سے مراد صبح، اصیل سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ غروبِ آفتاب کے بعد رات کی نماز میں مغرب اور عشا شامل ہیں۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔

(۷۸۔الاسراء۔۱۷)

دُلُوْكُ الشَّمْسِ سے مراد ظہر اور عصر کا وقت ہے۔ غَسَقِ اللَّيْلِ سے مراد عشا کی نماز ہے۔ قرآنِ فجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات گزرے۔

(۱۱۴۔ھود۔۱۱)

طَرَفَيِ النَّهَارِ سے مراد فجر اور مغرب کی نماز ہے اور زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ سے مراد عشا کی نماز ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے اوقات میں پھر تسبیح کر اور دن کے کناروں پر۔

(۱۳۰۔طٰہٰ۔۲۰)

سَبِّحْ بِحَمْد سے مراد نماز پڑھنا ہے دانوں والی تسبیح کا پھیرنا نہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں دانوں والی تسبیح کا کوئی رواج نہ تھا۔ قبل طلوع سے مراد فجر کا وقت ہے اور قبل غروب سے مراد عصر کا وقت ہے۔ اٰنَائِ اللَّيْلِ سے مراد مغرب اور عشا کی نمازیں ہیں۔ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے مراد صبح، ظہر اور مغرب کی نمازیں ہیں۔ ان سب آیات کو ملا کر پڑھنے سے پانچ وقت کی نماز کا

ثبوت ملتا ہے۔ نبی ﷺ نے مدینہ میں دس سال گزارے اور ایک پابندی کے ساتھ ہر روز پانچ نمازیں پڑھیں۔ اتنا متواتر عمل یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا۔ تہجد کی نماز کا الگ سے حکم ملا ہے اور وہ فرض نہیں نفل ہے۔ گو کہ تہجد کی بہت فضیلت ہے لیکن وہ فرض بہر حال نہیں ہے۔ جو بھی تہجد پڑھے گا اسے اس کا فائدہ ضرور پہنچے گا۔

بہتر یہ ہے کہ نماز کو جلدی اور اوّل وقت میں پڑھ لیا جائے لیکن ہر نماز کا آخری وقت بھی بتا دیا گیا ہے کہ اگر کسی مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جائے تو آخر وقت میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ نماز کا اوّل اور آخر وقت بھی خود رسول اکرم ﷺ نے مقرر کیا ہے۔ اگر کوتاہی کی وجہ سے انسان بروقت نماز نہ پڑھ سکے تو قضا نماز بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ قضا نماز کا وہ اجر و ثواب تو نہیں ملتا جو وقت کی نماز کا ہے لیکن قضا کی ادائیگی سے مسلمان کی غلطی کی معافی کی گنجائش نکل آتی ہے۔ خود نبی ﷺ سے ایک دفعہ سفر کے دوران فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو اسے بھی پورے اہتمام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

البتہ یہ حکم اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ نماز وقت کی پابندی سے پڑھنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾

اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔ (۱۰۳۔النساء۔۴)

سفر، بیماری یا جہاد کی وجہ سے وقت کی رعایت موجود ہے لیکن اگر حالات پرسکون ہوں تو پھر باجماعت وقت کی پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔ جو لوگ لاپرواہی، سستی یا کاروباری شغل کی وجہ سے نماز کا وقت ضائع کر دیتے ہیں، وہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ایسی بے وقت کی نماز کو اللہ تعالیٰ نے منافق کی نماز قرار دیا ہے۔

ذکر الٰہی کا تقاضا ہے کہ نماز کے معاملے میں دلچسپی اور چستی کا مظاہرہ کیا جائے۔ایک شخص اگر وقت سے پہلے مسجد میں چلا جاتا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے تو اس انتظار کا اجر اسے اتنا ہی ملے گا جتنا کہ نماز پڑھنے کا اجر ہوتا ہے۔ایسا شخص اگر انتظار کے خالی لمحات میں نوافل پڑھے یا قرآن کی تلاوت کرے یا زبان سے اللہ کا ذکر کرے،اس کا اجر اسے اضافی طور پر ملے گا۔صحیح مسلمان وہ ہے جو نماز کے وقت نماز اور کاروبار کے وقت کاروبار اور آرام کے وقت آرام کرے۔اوقات کی صحیح تنظیم کرنا ضروری ہے۔نماز اور اوقاتِ نماز کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ذیل میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی سَجْدَتَیْنِ لَایَسْھُوْ فِیْھِمَا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ. (احمد)

جس شخص نے بغیر بھولے دو رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَیْنَ الْعَبْدِوَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃَ . (مسلم)

مسلمان بندے اور کافر کے درمیان فرق نماز سے واقع ہوتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ ھُنَّ وَصَلّٰھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌاَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَہٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ. (النسائی)

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا،ان کے وقت پر ان کو پڑھا،رکوع کو خوبی سے ادا کیا اور حضورِ قلب سے نماز کو ادا کیا،اس کے لیے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو ایسا نہ کرے اس کے لیے خدا کا کوئی وعدہ، نہیں ہے، چاہے اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے دے۔

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اِذَا اَمَرَكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ.

اپنی پانچ نمازیں ادا کرو، اپنے رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو، اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (احمد)

امام مسلمؒ نے حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ پس جب سورج ڈھل گیا تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے پہلے اذان دی پھر اقامت کہی۔ پھر ابھی سورج بلند اور صاف وشفاف تھا کہ عصر کی اذان اور اقامت کا حکم دے دیا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو مغرب کا حکم دیا۔ جب شفق غائب ہو گئی تو عشا کا حکم دیا۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو اقامتِ فجر کا حکم دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو حکم دیا بلال کو وقت ٹھنڈا کرنے کا۔ پس بلال رضی اللہ عنہ نے وقت کو خوب ٹھنڈا کیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج آخری بلندی پر تھا اور مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے پہلے تک پڑھی اور عشا کی نماز تہائی رات گزرنے پر ادا کی اور فجر کی نماز خوب روشن ہونے پر پڑھی۔ پھر پوچھا کہ نماز کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''تمہاری نماز کا وقت ان دونوں دنوں کے اوقات کے درمیان ہے جس طرح تو نے ہمیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔ یعنی پہلے دن آپؐ نے پانچوں نمازیں اوّل وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن ساری نمازیں آخر وقت میں ادا کیں۔ یہ اوقاتِ اوّل اور اوقاتِ آخر کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور دو دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مکہ میں تشریف لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل اور آخر اوقات میں نماز پڑھا کر سکھایا کہ اوقات کی صحیح حد کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز اوّل وقت میں ادا کر لی جائے تاکہ سستی اثر انداز نہ ہو سکے۔ لیکن اگر فرصت نہ ہو تو آخر وقت کی نماز بھی صحیح ہے۔ البتہ گپ شپ اور لایعنی مذاکرات میں وقت ضائع کر کے نماز کا وقت آخر تک لے جانا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ سستی، لاپرواہی اور بے توجہی سے

نماز کے قضا ہوجانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ فجر کی نماز میں نیند کے غلبے کی وجہ سے بعض اوقات جماعت رہ جاتی ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ انسان رات کو جلدی سوجائے۔ عشا کے بعد زیادہ دیر تک جاگنا جائز نہیں ہے۔ جو لوگ رات کو جلدی سوجاتے ہیں وہ وقت پر تہجد اور فجر کی نماز آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُاللّٰہِ . اوّل وقت میں نماز ادا کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے اور آخری وقت میں نماز ادا کرنا اللہ کی طرف سے درگزر ہے۔ (ترمذی)

نماز کے ارکان رکوع، قیام، سجدہ اور قعدہ کو سکون سے ادا کرنا چاہیے۔ جلدی جلدی ٹھونگے مار کہ نماز اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتی۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ آیات کا ترجمہ اگر یاد ہو تو توجہ سے سمجھنا چاہیے۔ تسبیحات کو بھی ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا چاہیے۔ خدا کے دربار میں حاضری کا تصور خضوع اور خشوع پیدا کرتا ہے۔ نماز کے دوران ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے جس سے ظاہر ہو کہ یہ شخص نماز کی حالت میں نہیں ہے۔ داڑھی کے ساتھ کھیلنا اور انگلیاں چٹخانا منع ہے۔ نمازی کے آگے سے گزرنا منع ہے۔ مسجدوں میں شوروغل کرنا، دوسروں کی نماز کو خراب کردیتا ہے۔ عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہے، البتہ گھر میں نماز پڑھنا عورتوں کے لیے افضل ہے۔ پردے کے اہتمام سے عورتوں کو جمعہ کی نماز میں شامل ہونا بہتر عمل ہے۔ عیدین اور جمعہ کے خطبات سننے سے عورتوں کی تعلیم کی جاسکتی ہے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازوں کا بھی بہت فائدہ ہے۔ نوافل کی کثرت سے ذکر میں لذت پیدا ہوتی ہے، بے توجہی میں کمی آتی ہے اور ذوق وشوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ نوافل قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے میرے ولی کو اذیت دی میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ اس تقرب کا ذریعہ وہ چیزیں ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں اور وہ ہیں فرائض، جن کی میرا بندہ پابندی کرتا ہے۔ پھر میرا بندہ

نوافل کے ذریعے مجھ سے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ ان فرائض اور نوافل کی پابندی سے وہ میرا دوست بن جاتا ہے اور جب میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں اور وہ اس سے سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ اس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعے پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں کہ اس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ جب وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اور جب وہ پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں تردد نہیں کرتا لیکن اس بندہ مومن کی موت پر مجھے بھی تردد ہوتا ہے۔ انسان موت کو برا سمجھتا ہے حالانکہ جسے وہ برا سمجھتا ہے وہ مجھے پسند ہے اور موت سے کسی حال میں چارہ نہیں''۔

مندرجہ بالا تمام احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کی وقت کی پابندی، باجماعت ادائیگی اور نوافل کی کثرت سے مسلمان کو بہت فائدے پہنچ سکتے ہیں۔

نماز کے بعد ذکر

جب فرض نماز جماعت سے ادا ہو جائے تو اس کے بعد سنتیں ادا کرنے سے پہلے بھی ذکر کرنا چاہیے۔ فرض اور سنتوں کے درمیان اس وقفے کی بہت اہمیت ہے۔ اگر فرض نماز کے بعد سنتیں ادا نہ کرنی ہوں جیسے عصر کی نماز، تو بھی سنت رسول ﷺ یہ ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی کے بعد اطمینان سے نماز کی جگہ پر بیٹھے اور کلماتِ طیبات کا ذکر کرے۔ نماز کے بعد کیا الفاظ پڑھنے چاہئیں اس کی تفصیل ان شاءاللہ آگے معمولات میں درج ہے۔ یہاں صرف دو حکم درج کر دیے جاتے ہیں۔ قرآن کا حکم ہے:

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَأَدۡبَـٰرَ ٱلسُّجُودِ ﴿٤٠﴾ اور رات کے وقت پھر اس کی تسبیح کرو اور سجدہ ریزیوں سے فارغ ہونے کے بعد۔ (۴۰۔ق۔۵۰)

جب فرض نماز ادا کر لی جائے تو اس کے بعد اللہ کی تسبیح اور ذکر کرنا چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی

اور سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا اور سورج نکلنے پر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو ایک حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔ اور اس آخری فقرے کی اہمیت جتانے کے لیے تـامة کا لفظ تین بار ارشاد فرمایا یعنی پورا ثواب ملے گا۔

لوگوں کو کاروبار کی جلدی ہوتی ہے اس لیے نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلنے کی جلدی کرتے ہیں اور اوّل تو ذکر کرتے ہی نہیں، جو کرتے ہیں تو وہ دوکان تک راستے میں ذکر کر لیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے بعض اوقات ذکر نہیں ہوتا اور انسان ایک سعادت سے محروم رہ جاتا ہے۔

بعض لوگ فرض کے فوراً بعد سنتیں یا نفل پڑھتے ہیں اور فارغ ہو کر تسبیحات پڑھتے ہیں۔ قرآن اور سنت سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد تسبیحات پڑھنی چاہئیں۔ نفلوں کے بعد دعا کر کے گھر کو جانا چاہیے۔ کسی کو جلدی ہے تو تھوڑے ذکر کا معمول بنا لے۔ کوئی فارغ ہے تو زیادہ ذکر کا معمول بنا لے۔ بہتر ہے کہ فرض نماز کے فوراً بعد تسبیح اور حمد کا ذکر کرنا چاہیے۔

تہجد

تہجد کی بہت فضیلت ہے لیکن یہ فرض نہیں نفلی عبادت ہے۔ اللہ سے تعلق اور دین کی خدمت اور جہاد میں تہجد بہت معاون ہوتی ہے۔ قرآن نے تہجد کی بہت ترغیب دی ہے۔ تہجد رات کی نماز کو کہتے ہیں۔ پرانے زمانے سے اہل ذکر کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ راتوں کو جاگ کر ذکر الٰہی کیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی تہجد کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ عام نیکیوں کی نسبت تہجد سے جلدی قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ البتہ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ تہجد میں استقامت ضروری ہے۔ کبھی پڑھ لی اور کبھی چھوڑ دی اتنی مفید عادت نہیں۔ دوسری اہم بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تہجد اسے فائدہ دے گی جو فرض نماز باقاعدگی سے باجماعت ادا کرے۔ فرض نماز چھوڑ کر صرف تہجد کی پابندی خاص مقاصد کو تو فائدہ دے دیتی ہے لیکن رضائے الٰہی کی منزل نہیں ملتی۔ تہجد کے بارے میں قرآن کی چند آیات درج کی جاتی ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹
(۷۹۔بنی اسرائیل۔۱۷)

اور رات کو تہجد پڑھو، تمہارے لیے نفل ہے۔ بعید نہیں کہ تمہارا ربّ تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝۶۴
(۶۴۔الفرقان۔۲۵)

رحمان کے بندے وہ ہیں جو اپنے ربّ کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶
(۱۶۔السجدہ۔۳۲)

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے ربّ کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸

وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے۔ پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے۔

(۱۷۔۱۸۔الذاریات۔۵۱)

احادیث کی کتابوں میں "صَلٰوةُ اللَّيْلِ" کا باب الگ سے باندھا گیا ہے۔ فضیلت کے نقطۂ نظر سے چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهٗ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِلسَّيِّاٰتِ وَمُنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ .
(ترمذی)

تم اپنے آپ پر رات کے قیام کو لازم کرلو۔ یہ طریقہ ان نیک لوگوں کا ہے جو تم سے پہلے تھے اور یہ اللہ کی نزدیکی کا ذریعہ ہے، گناہوں کا کفّارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ .
(احمد)

فرض نمازوں کے بعد سب سے بہتر نماز رات کی نماز یعنی تہجّد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ.

میری اُمت کے بلند مرتبہ لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید کو اُٹھانے والے (حافظ اور عالم) اور رات کو جاگنے والے ہیں۔ (بیہقی)

حضرت عمرو بن عَنْبَسہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِفِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَّذْکُرُاللّٰہَ فِیْ تِلْکَ السَّاعَةِ فَکُنْ.

ربّ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخر حصے میں ہوتا ہے۔ پس اگر تم سے یہ بات ہوسکے کہ تم رات کے آخری حصے میں اللہ کو یاد کرنے والوں میں شامل ہو تو ایسا کرو۔ (ترمذی)

تہجد کا وقت

تہجد کا وقت رات کا آخری حصہ ہے۔ تہجد کے لفظی معنی ہیں نیند توڑ کر اُٹھنا۔ اس لیے عشا کی نماز کے بعد کچھ وقت سونا لازمی ہے۔ اور نیند کی مقدار ہر انسان کی فطری ساخت کے مطابق ہے۔ جوان آدمی آٹھ گھنٹے سوتا ہے، بوڑھے آدمی کو رات نیند آتی ہی نہیں، اگر نیند نہ بھی آئے تو بھی نماز عشا کے بعد کچھ وقت بستر پر لیٹنے سے تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان کچھ وقت کے لیے آنکھیں بند کر کے لیٹ جائے۔ اگر نیند زیادہ آئے تو عشا کے بعد فوراً سو جانا چاہیے۔ اگر پھر بھی نیند کا غلبہ رہے تو دوپہر کو نیند کی کمی دور کر لینی چاہیے۔ کچھ لوگ ساری رات جاگنا اور ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے پاس ٹھہرا۔ اس روز نبی ﷺ بھی وہاں تھے۔ آپؐ نے تھوڑی دیر اپنی بیوی میمونہؓ سے باتیں کیں اور پھر سو رہے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ گیا یا اس سے کم تو آپؐ اُٹھے، اچھی طرح وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرماتی ہیں کہ

يَنَامُ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِىْ اٰخِرَه‘.
آپؐ ابتدائی رات سوتے اور آخری رات میں جاگتے۔

چونکہ یہ ایک نفلی نماز ہے اس لیے وقت کی پابندی نہیں۔ انسان اپنے حالات کے مطابق وقت مقرر کر سکتا ہے۔ قرآن کے مطابق تین اوقات ہو سکتے ہیں:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ

اے نبی ﷺ! تمہارا ربّ جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ (۲۰۔المزمل۔۷۳)

۱۔ دو تہائی رات

۲۔ نصف شب

۳۔ ایک تہائی رات

اگر تھکا ہارا مشقتی انسان فجر کی اذان سے پندرہ منٹ پہلے اُٹھ کر وضو کرے اور دو رکعت نفل پڑھ لے تو یہ بھی اس کی تہجد ہی گنی جائے گی۔ نماز کی رکعتوں کی بھی اہمیت ہے لیکن اصل اہمیت وقت کی ہے۔ ایک شخص آٹھ رکعت آٹھ منٹ میں پڑھ لیتا ہے دوسرا ایک گھنٹے میں آٹھ رکعت پڑھتا ہے، دونوں کو ثواب تو آٹھ رکعت ہی کا ملے گا، لیکن ایک گھنٹہ عبادت کرنے والے کو زیادہ اجر ملے گا۔ فرصت، صحت اور حالات کے اختلافات کی وجہ سے ہر شخص کو آزادی ہے کہ جتنا وقت عبادت کے لیے نکال سکے وہ رات کو بیدار رہو۔

رکعتوں کی تعداد

رکعتوں کی بھی پابندی نہیں جتنی انسان پڑھ سکے پڑھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دو حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُّسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ .

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز کے بعد فجر کی نماز کے درمیانی وقت میں گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔

(بخاری مسلم)

اس حدیث کی رو سے دس نفل اور ایک وتر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن بعض علما ایک کی بجائے تین وتر پڑھتے ہیں۔ اس طرح آٹھ نفل اور تین وتر بنتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ .

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

(مسلم)

اگر شوق ہے تو آٹھ سے زیادہ نفل بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ اگر عشا کی نماز کے ساتھ وتر پڑھ لیے جائیں تو دوبارہ تہجد میں پڑھنے ضروری نہیں۔ تہجد سکون سے پڑھنی چاہیے۔ جتنا لمبا قیام اور سجدہ ہوگا اتنی ہی نماز مفید بن جائے گی۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَا تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا .

(بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اس قدر لمبا قیام کیا کہ آپ ؐ کے پاؤں پر ورم ہوگیا۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ ؐ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

تہجد کو قیام اللیل کہا جاتا ہے۔ اس لفظ میں بھی یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ رات کو لمبی نماز

پڑھنی چاہیے یعنی قرآن کریم کی قرأت قیام کے دوران لمبی ہونی چاہیے۔ کئی لوگ تو سات پاروں کی ایک منزل ایک تہجد کی نماز میں پڑھ لیتے ہیں۔ نوافل کے دوران اگر وقفہ کرلیا جائے اور بیٹھ کر درود شریف یا کوئی ذکر کرلیا جائے تو تھکاوٹ زیادہ نہیں ہوتی۔ اس باب میں احادیث میں بہت سے اذکار بیان ہوئے ہیں۔ سب سے عمدہ ذکر گناہوں کی معافی اور تسبیح وتحمید ہے۔ رات کی فراغت میں فکر اور تدبر بھی کرنا چاہیے۔ صرف کولھو کے بیل کی طرح ایک معمول کی نماز کافی نہیں۔ ترجمہ وتفسیر اگر معلوم ہو اور انسان قرآن کی قرأت کر رہا ہو تو تہجد کی پرسکون گھڑی میں تدبر وتفکر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ گناہوں کی معافی حاصل کرنے کے لیے بھی یہ وقت بہت مفید ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم تبارک وتعالیٰ رات کے وقت دنیا کے آسمان پر اترتا ہے جبکہ آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے:

مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَهٗ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَ لَهٗ. کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں اور کون ہے جو اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں۔ (بخاری ومسلم)

پرانے زمانے کے لوگ اللہ کے قریب ہونے کے لیے دنیا چھوڑ کر جنگلوں اور غاروں میں چھپ جایا کرتے تھے اور تنہائی میں ذکر اور تزکیہ کر کے اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ جتنے فوائد یہ لوگ حاصل کیا کرتے تھے اس سے بہتر نتائج اور فوائد آج مسلمان تہجد کے ذریعے حاصل کرسکتا ہے۔ تہجد کی تنہائی کلیسا وخانقاہ کی تنہائی سے ہزار درجے بہتر ہے اور اگر نیک بیوی بھی تہجد کی ساتھی ہو، خاوند بیوی کو جگائے اور بیوی خاوند کو جگائے تو گھر ہی میں خانقاہ کے سارے فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ مدینے کے صحابی مرد اور عورتیں راتوں کو جاگ جاگ کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اسلام نے رہبانیت کو حرام کیا ہے۔ اس کے متبادل کے طور پر رات کی نماز نفل قرار دے کر اہل ذوق کے لیے سامانِ راحت عطا فرمایا ہے۔

حج

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو جان لے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ (۹۷۔آل عمران۔۳)

حج ارکان اسلام میں سے ہے۔اور یہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ موجود ہو کہ وہ مکہ تک اخراجات سفر اور تین چار ماہ کے گھریلو اخراجات کی طاقت رکھتا ہو۔ اپنے کاروبار سے اتنی رقم نکالنا آسان ہو۔ایک دنیادار شخص مکان پر لاکھوں روپے لگا دیتا ہے لیکن حج نہیں کرتا حالانکہ وہ اگر مکان سادہ تعمیر کرتا تو حج کے اخراجات کے لیے رقم آسانی سے نکال سکتا تھا۔بس یہ ایمان، محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ کی کیفیت ہے جو انسان کو حج پر لے جاتی ہے۔ اہل محبت تو غریبی میں بھی حج کے لیے رقم الگ سے کما لیتے ہیں۔حج کے فوائد بہت ہیں۔اس سلسلے میں چند احادیث نیچے درج کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ

اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ .

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا، ایسا حج جو اللہ کے ہاں پسند آ جائے۔ (بخاری و مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ.

(بخاری و مسلم)

جوشخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حج کرے اوراس میں وہ نہ تو اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور نہ ہی بے ہودہ کلام کرے اور گناہ سے بچے تو حج سے جب واپس آتا ہے تو گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہوکر آتا ہے کہ جس طرح اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ عُمْرَةً فِی رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.

رمضان کے مہینے میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

(بخاری و مسلم)

حج کے ارکان میں سے ایک احرام ہے جو سادہ ترین لباس ہے اور رہبانیت سے کہیں بڑھ کر فوائد کا حامل ہے۔ حج کا ایک اہم رکن تلبیہ ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ...... حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ یہ بلند آواز کا نعرہ ایک آواز کے جواب میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾

اور لوگوں کو حج کے لیے آواز دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دُور دراز مقام سے پیدل اور دُبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہوکر آئیں۔

(۲۷۔الحج۔۲۲)

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ...... بلند آواز سے پکار کر اللہ کے دربار میں اپنی حاضری لگوانا بھی ذکر ہی ہے عرفات اور منیٰ میں پڑھی جانے والی نماز بھی حج کا حصہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے ربّ کا فضل

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۱۹۸

(کاروبار) بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو۔ اور اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔ (۱۹۸۔البقرہ۔۲)

حج میں انسان اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہونے کی دعا کرتا ہے۔ تقریباً ایک ہفتہ سوائے اللہ کے ذکر کے اور کوئی کام وہاں نہیں ہوتا، اس لیے حج کو بھی ذکر الٰہی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

حج کی ایک اہم رسم قربانی ہے۔ یہ جانوروں کو ذبح کرنا بھی اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے ان پر اللہ کا نام پڑھا جاتا ہے: **بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ**۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۳۴

ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ اس اُمت کے لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔ پس تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے پس تم اسی کے مطیع فرماں بنو۔ اور اے نبی ﷺ! عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے دو۔ (۳۴۔الحج۔۲۲)

جس طرح نماز ذکر ہے اور اس سے فراغت کے بعد ذکر کرنے کا حکم ہے، اسی طرح حج سے فارغ ہونے کے بعد ذکر الٰہی کرنے کا حکم ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے بعد میلے لگایا کرتے تھے اور اپنے آباؤ اجداد کی بڑائی بیان کیا کرتے تھے۔ شعر و سخن کی مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں اور کھیل تماشے ہوتے تھے۔ اسلام نے تمام غلط رسمیں ختم کر کے ذکر الٰہی کو فروغ دیا ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنٰسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط (۲۰۰-البقرہ-۲)

پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

حج کے مختلف ارکان اور درج بالا آیات واحادیث کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ حج ذکر کی بہترین قسم ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشی، اخلاقی، سیاسی اور عسکری فوائد کے ساتھ ساتھ اللہ سے قربت نصیب ہوتی ہے۔ حج کے آٹھ دنوں میں انسان کو وہ فوائد مل جاتے ہیں جو پچاس سال کی رہبانیت سے نہیں ملتے۔ بعض جاہل لوگ حج کو بھی سیر وتفریح کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ بعض کاروبار اور نفع کمانے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ ہم نیت کے باب میں اس کی کافی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے کیا ہوا حج ساری عمر کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اگر انسان حج کے بعد اپنے اعمال کی نگرانی اور احتساب کرتا رہے تو حج موت تک انسان کو نیک رکھتا ہے بلکہ دوران نماز بار بار مکہ و مدینہ کا تصورِ حضوری، خشوع وخضوع میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔ بعض حاجی تو ایسے ہیں کہ دوران نماز ایسا تصور باندھتے ہیں کہ عملاً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ ہی میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

افضل الذکر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ.

بہترین ذکر لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور بہترین دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔

(ترمذی)

حضرت یسیرہؓ کہتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ

تم سُبْحَانَ اللّٰهِ - لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اور

وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَلَاتَغْفِلْنَ فَتُنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کرلو اور اپنی انگلیوں پر گنتی کرو، اس لیے کہ انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور یہ جواب دیں گی۔ اور اس میں غفلت نہ کرنا ورنہ خدا کی رحمت تم کو بھلا دے گی۔ (ترمذی)

زبان، روح، دماغ، قلب اور سارے جسم کی حاضری کے ساتھ کلمہ طیبہ کے پہلے جزو **لاالٰہ الااللہ** کا ذکر کرنا چاہیے۔ رات کی تنہائی میں مغرب یا عشا کے بعد فجر کی نماز سے پہلے یا تہجد کے دوران سو دفعہ یا کم وبیش حسب حالات ذکر کرنا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھ لیں بلکہ استغفار بھی ساتھ ہی پڑھ لیں۔ پھر تین دفعہ پورا کلمہ طیبہ پڑھیں پھر سو دفعہ یا کم وبیش حسب توفیق افضل ذکر کریں۔ جب ختم کرنا ہو تو تین دفعہ پورا کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھ لیں۔ واضح ہو کہ قرآن اور حدیث کی رو سے کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک **لاالٰہ الااللّٰہ** اور دوسرا **محمدرسول اللّٰہ**۔ کثرت ذکر کے لیے پہلا حصہ پڑھا جاتا ہے دوسرے حصے کو صرف آخر میں ملاتے ہیں۔ کچھ لوگ پورا کلمہ ہی ذکر سمجھتے ہیں حالانکہ پورا کلمہ ذکر کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔ اس کا تعلق عقیدے اور ایمان کے ساتھ ہے اور یہ پورا کلمہ اس وقت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جب ایمان کا اعلان کرنا ہو یا کسی شہادت کے لیے ضروری ہو۔ کلمہ طیبہ کی اپنی فضیلت ہے کلمہ شہادت کی اپنی فضیلت ہے اور افضل ذکر کو حدیث میں تہلیل کا نام بھی دیا گیا ہے۔ رہا گننا تو یہ حدیث سے ثابت ہے کہ انسان سو تک انگلیوں پر گن سکتا ہے۔ اگر زیادہ پڑھنا چاہے تو گننا ضروری نہیں۔ بے حدوحساب بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

ذکرذات

ربّ العالمین کا ذاتی نام اَللّٰہُ ہے۔ یہی اسم اعظم ہے اور جتنے بھی مسنون اذکار کتابوں میں بیان ہوئے ہیں ان میں لفظ اللہ ضرور آتا ہے، کثرت ذکر اور دائم ذکر کے لیے

بہترین ذکر یہی اسم ذات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝٨ اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو۔ اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ (۸۔ المزمل۔۷۳)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝٢٥ اپنے ربّ کا نام صبح و شام یاد کرو۔

(۲۵۔ الدھر۔۷۶)

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝١٥ اور اپنے ربّ کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔

(۱۵۔ الاعلیٰ۔۸۷)

ذکر ذات کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ جب مسلمان فارغ ہو اسے ذکر کر لینا چاہیے۔ لفظ اللہ کو دائم ذکر کا حصہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ذکر ذات یا صفات کا نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پوری شانِ الوہیت و حاکمیت کے ساتھ انسان کے ذہن میں ایسا سمائے کہ انسان عملی زندگی میں تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کر سکے۔ بعض لوگ اسم اعظم کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور بڑی دقت اُٹھاتے ہیں۔ واضح ہو کہ اسم اعظم بھی یہی نام اللہ ہی ہے۔ صرف لفظ اللہ منہ سے کہنے سے مطلوبہ نتائج نہیں ملتے۔ صحیح نیت کے ساتھ اپنی عملی زندگی کی اصلاح کر کے تقویٰ اور احسان کے ساتھ جب لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ بغیر مانگے انسان کو اتنا دے دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ ذکر ذات کے ذریعے دنیا حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ نہیں ملتا۔

ذکر صفات

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝١١٠

ان سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔ اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ استعمال کرو۔ (۱۱۰۔ بنی اسرائیل۔۱۷)

احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا ذکر ہے۔ علما نے قرآن میں سے اللہ تعالیٰ کی صفتیں تلاش کر کے جو نام تجویز کیے ہیں اُن کی تعداد بھی سو کے قریب بنتی ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار ہیں ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ لفظ خدا فارسی کا لفظ ہے اور ربّ کے معانی میں اس کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی بجائے لفظ خدا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں لفظ God کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ ہر زبان میں اللہ کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کو اگر جمع کیا جائے تو وہ ہزاروں سے متجاوز ہو جائیں۔ قرآن کا یہ فقرہ کہ لـہ الاسـمـاء الحسنیٰ کافی ہے۔ یعنی ہر خوبی، ہر اچھا نام اللہ کا ہی ہے۔ اللہ کے صفاتی ناموں میں سے کس نام کا ذکر کیا جائے، یہ انسان کی اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق ہے۔ استادوں کے تجربات اور احوال کو بھی ذکر میں دخل ہوتا ہے۔ شاگردوں کی کیفیات کے مطابق ذکر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے طور پر ذکر کرنا چاہے تو کسی ذکر کو اپنا لے یا کسی حدیث سے اپنی من مرضی کا ذکر منتخب کر لے یا کسی نیک آدمی سے ذکر سیکھ لے۔ تجربہ کار اہل ذکر سے سیکھنا زیادہ فائدہ مند ہے۔ جاہلوں سے سیکھا ہوا ذکر بعض اوقات فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفۡضَلُ الۡكَلَامِ اَرۡبَعٌ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ. بہترین کلام چار ہیں، سبحان اللہ، الحمدللہ، لاالٰہ الااللہ، اللہ اکبر۔

(المسلم)

ایک دوسری روایت میں لفظ افضل الکلام کی جگہ لفظ **اَحَبُّ الۡكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ** استعمال ہوا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَـلِـمَتَانِ خَفِيۡفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيۡلَتَانِ دو کلمے ہیں جو زبان سے کہنے میں ہلکے لیکن

فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ اعمال کے ترازو میں بھاری اور رحمٰن کے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ نزدیک بہت پیارے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ. (بخاری ومسلم) وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَةٍ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ کَنْزِ الْجَنَّةِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ (بیہقی)

کیا نہ بتاؤں میں تم کو ایک کلمہ جو اترا ہے عرش کے نیچے سے اور جنت کے خزانہ سے اور وہ ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اطاعت شعار ہوا میرا بندہ اور اس نے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیے۔

درود وسلام

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔

(۵۶۔الاحزاب۔۳۳)

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

صلوٰۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں ''ایک کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبت سے متوجہ ہونا، اس پر جھکنا، دوسرے کسی کی تعریف کرنا، تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا''۔

سلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، جس کے لیے ہم اُردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ صَلُّوْا عَلَیْهِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو جاؤ ان کی مدح وثنا کرو اور ان کے لیے دعا

کرو۔

سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرواور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری دل و جان سے ان کا ساتھ دواوران کی مخالفت سے پرہیز کرواوران کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۲۴)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سلام کا طریقہ تو ہمیں بتا دیا ہے اب ہم آپؐ پر اور آپؐ کے گھر والوں پر درود کیسے بھیجیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اس طرح درود بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر درود بھیجا۔ بے شک تو حمد اور اعلیٰ درجات والا ہے۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کی آل پر اس طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو حمد اور اعلیٰ درجات والا ہے۔

(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (مسلم)

جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ .

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہ معاف کردے گا اور دس درجے بلند عطا فرمائے گا۔

(النسائی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً.

قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر اکثر درود پڑھنے والا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَجْعَلُوْا بُیُوتَکُمْ قُبُوْرًاوَّلَاتَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًاوَّصَلُّوْاعَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ.

اپنے گھروں کو قبروں کی مانند نہ بناؤ (گھروں میں نفل پڑھا کرو، ذکر کیا کرو) اور میری قبر پر عید یا خوشی نہ کرو، البتہ مجھ پر درود بھیجو، اس لیے کہ تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔ (النسائی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ.

بخیل وہ شخص ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(ترمذی)

زندگی میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ بعض علما نماز کے آخری قعدے میں پڑھنا بھی فرض سمجھتے ہیں اور بعض لازمی نہیں سمجھتے۔ فرضیت سے ہٹ کر درود شریف نماز میں پڑھنا، دعا کے ساتھ پڑھنا یا نماز کے بعد پڑھنا یا رات کی تنہائیوں میں پڑھنا اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔ جب بھی انسان زندگی کے کاروبار سے فارغ ہو درود شریف پڑھنا شروع کردے۔ درود شریف پڑھنے کی بہت فضیلت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ درود شریف کثرت سے پڑھا جائے۔ خاص طور پر رات کو پڑھنا باعث برکت ورحمت ہے۔ علما نے اور بھی درود شریف ترتیب دیئے ہیں لیکن ان کا درجہ نفل کا ہے۔ فضیلت میں وہ درود شریف ہے جسے درود ابراہیمی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ درود خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اس لیے اسے پڑھنے والے کا اجر زیادہ

ہوگا۔

درود شریف بھی ذکر الٰہی کا حصہ ہے۔ بلکہ ذکر کی جان ہے۔ خاص طور پر جب حلقے میں ذکر کیا جائے تو اس کی ابتدا درود شریف ہی سے کرنی چاہیے۔ دعاؤں کی قبولیت کے لیے بھی ضروری ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں بھی درود شریف پڑھا جائے۔ کوئی وظیفہ کرنے سے پہلے اور آخر میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے۔

ذکر کے طریقے

ذکر خفی

خفیہ ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو مسلمان اپنے خیالات، تصورات، احساسات اور سانس اور دل کی حرکتوں کے ساتھ اس طرح کرے کہ وہ سو فیصد پوشیدہ ہو اور پاس بیٹھے ہوئے شخص کو بھی پتہ نہ چلے کہ میرا ساتھی ذکر میں مصروف ہے۔ اللہ کا یہ ذکر بھی مالک اور غلام کا راز ہے۔ ذکر جتنا خفیہ ہوگا اتنا ہی مفید ہوگا۔ فرائض کے متعلق حکم ہے کہ اعلانیہ ادا کرنے چاہئیں۔ مثلاً زکوٰۃ فرض ہے وہ اعلانیہ ادا کرنی چاہیے لیکن صدقات کو خاموشی سے اور رات کی تاریکیوں میں ادا کرنا چاہیے تا کہ سخاوت کی شہرت سے انسان بچ جائے۔ تقریباً یہی حال ذکر کا ہے۔ نماز ایک فرض ذکر ہے باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ نفل گھر میں تنہائی میں ادا کرنے چاہئیں۔ قرآن کی تلاوت فرض ہے اعلانیہ کرنی چاہیے۔ فہم وادراک کے لیے غور و خوض تنہائی میں کرنا چاہیے۔ اسی طرح ذکر کی کثرت اور دوام بھی نفل ہے اور یہ خفیہ کرنا چاہیے۔

بعض لوگ فقیری اور درویشی کو بھی گم نامی کا راستہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے بہت سے مدارج خفیہ ہوتے ہیں۔ خفیہ ذکر کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۲۰۵﴾

(۲۰۵۔الاعراف۔۷)

اور اپنے ربّ کو صبح وشام یاد کیا کرو دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾

(۵۵۔الاعراف۔۷)

اپنے ربّ کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان دونوں آیات میں الفاظ فِیْ نَفْسِکَ اور خُفْیَةً کو اگر ملا کر پڑھا جائے تو خفیہ ذکر کے مدارج کی سمجھ آ جاتی ہے۔فقراء نے اپنے تجربوں کی بنیاد پر خفیہ ذکر کی چار حالتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ خیال۔
۲۔ دل کی حرکتوں کے ساتھ۔
۳۔ سانس کی حرکتوں کے ساتھ۔
۴۔ جذب،توجہ۔

خیال

تصور،سوچ اور خیال کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔دماغ ہر وقت کام کر رہا ہے،اس لیے خیالات آتے جاتے رہتے ہیں۔چند لمحات کے بعد سوچ کا دھارا بدل جاتا ہے۔خیال کے ساتھ ذکر کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ انسان قرآن کی آیات اور آسمان و زمین میں پائے جانے والے آثار کو دیکھ کر توحید،رسالت اور آخرت کی حقانیت پر تدبر و تفکر کرے۔دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور مطالب پر غور کر کے روز مرّہ مسائل کا حل تلاش کرے،کوئی مضمون ترتیب دے،کوئی دعوت کا اسلوب وضع کرے۔تیسرا پہلو یہ ہے کہ اپنے خیال ہی میں لفظ اللہ یا لا الہ الا اللہ کا ورد کرے۔شروع شروع میں تو خیالات جلدی منتشر ہو جاتے ہیں لیکن اگر باقاعدگی سے کوشش اور ہمت کی جائے تو علم تجربے میں اضافے کے ساتھ ساتھ ایک معمول بن جاتا ہے۔اگر وقت کی پابندی کر لی جائے تو اور بھی سہولت ہو جاتی ہے۔مثلاً نماز کے لیے مسجد میں گئے،سنتیں ادا کر کے جماعت کا انتظار ہو رہا ہے۔۱۰/۱۵ منٹ کا وقفہ ہے ایسی فرصت کی گھڑی اگر خیال کے ساتھ اللہ،اللہ کرنے کی عادت ڈال لی جائے تو خفیہ ذکر کی عادت ڈالی جا سکتی ہے۔اسی طرح کوئی اور فرصت کا وقت نکالا جا سکتا ہے۔ذکر کا یہ طریقہ بہترین ہے۔

سانس

شروع شروع میں سانس کے ساتھ ذکر کرنے کے لیے توجہ اور پابندی کی ضرورت ہے لیکن اگر کافی عرصہ پابندی کی جائے تو پھر سانس کیساتھ ذکر ایک عادت بن جاتی ہے۔ذاکر کوئی کام کر رہا ہے اور اس کے سانس خود بخود ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔بہت سے لوگوں

کا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی محنت سے دوام حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ کہ ہر سانس کے ساتھ ذکر ذات یا صفات ہو۔ اسے پاس انفاس بھی کہتے ہیں۔ عام طور پر لفظ اللہ سانسوں میں آسانی سے جاری ہوجاتا ہے اور ایک وقت میں خودبخود جاری رہتا ہے۔ بعض لوگ افضل ذکر **لاالـہ الااللّٰـہ** کے دو حصے کر لیتے ہیں اندر سانس لیتے وقت **اِلَّا اللّٰہ** اور باہر کی طرف سانس نکالتے وقت **لَا اِلٰہَ**۔ یہ ذکر شروع شروع میں شعور اور توجہ سے کرنا پڑتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پریکٹس ہوجائے تو غیر شعوری طور پر بھی سانس کے ساتھ ذکر جاری رہتا ہے۔ دیگر صفاتی ناموں کو بھی سانسوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ہر شخص کا اپنا اپنا طریقہ ہے۔ شریعت اس بارے میں خاموش ہے۔

اِجرائے قلب

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ میں لفظ استعمال ہوا ہے "**فِــیْ نَـفْسِکَ**"۔ نفس کا مطلب ہے "جان"۔ انسانی جان کے اندر مختلف چیزیں ہیں جن سب کو نفس ہی کہا جاتا ہے۔ مثلاً سانس کو بھی نفس کہتے ہیں، دل، روح اور جذبات واحساسات کو بھی نفس کہتے ہیں، خواہشات کو "ہوائے نفس" کہا جاتا ہے۔ جب سانس کی حرکت کے ساتھ لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو اسے "پاس انفاس" کہا جاتا ہے۔ جب یہ ذکر دل کی حرکتوں کے ساتھ کیا جائے تو اسے ذکر قلبی یا روحی بھی کہتے ہیں۔

دل کے سکڑنے سے دھڑکن کی آواز پیدا ہوتی ہے، جب دل پھیلتا ہے تو خون اس میں باہر سے داخل ہوتا ہے اور جب دل سکڑتا ہے تو خون پھیپھڑوں اور سارے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ دل کی دھڑکن کے ساتھ ہی نبض اُبھرتی ہے۔ ایک منٹ میں ساٹھ یا ستر دفعہ دل دھڑکتا ہے۔ اگر انسان کے خیال میں کیا جانے والا ذکر دل کی دھڑکن کے ساتھ مل جائے تو ایک ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے۔ خیال میں ادا کیا جانے والا لفظ "اللہ" دل کی دھڑکن کے ساتھ ایک آہنگ یا Rythem پیدا کردیتا ہے۔ اگر شعوری طور پر ان آوازوں میں ہم آہنگی کی پابندی کی جائے تو ایک وقت آتا ہے کہ خیال میں ہونے والا ذکر دل کا ذکر بن جاتا ہے اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے

دل سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔ بعض اوقات تو کوئی دوسرا شخص کان لگا کر سینے پر دل کی آواز کو سنے تو اسے بھی دھڑکن میں سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہے۔ کافی عرصہ تک یہ شعوری ذکر خود بخود جاری ہو جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر بھی دل کی دھڑکن اللہ اللہ کے ساتھ مل کر آواز نکالتی ہے۔ دل کے اس خود بخود ذکر کرنے کو اجرائے قلب کہتے ہیں۔ بعض لوگ اللہ کے لفظ سے دل کو جاری کرتے ہیں۔ بعض لوگ لا الہ الا اللہ کو دل کی چار آوازوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور دل کی چار دھڑکنیں، افضل ذکر کرتی ہیں۔ کئی ایک **الله الصمد** کو دل کی تین حرکتوں سے ملا دیتے ہیں۔ اس طرح **الله الصمد** سے بھی دل جاری ہو جاتا ہے۔ اہل ذوق تواتر سے اور شوق سے جب توجہ کرتے ہیں تو بڑی جلدی دل سے ذکر کی ہم آہنگی ہو جاتی ہے۔

صوفیا کے ہاں اجرائے قلب کو ذکر کی آخری منزل سمجھا جاتا ہے اور یہ دائم ذکر کی ایک شکل ہے۔ عوام الناس ایسے شخص کو بڑا ابزرگ خیال کرتے ہیں اور دل کے اجرا پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک فن ہے جس میں مہارت حاصل کی جاسکتی ہے اور لوگ اس طرح کے ذکر کے ماہر بھی بن جاتے ہیں۔ محنت، توجہ، لگن، محبت جلدی دل کے ذکر کو جاری کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات نظر کے فیض کی وجہ سے بھی دل میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اور دل اللہ اللہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن یہ نظر بھی اسی قلب پر اثر انداز ہوتی ہے جو ذکر کی کوشش میں مصروف ہو۔ غافل انسان پر نظر کا فیض جاری نہیں ہوتا۔ جن الفاظ کے ساتھ مرشد کا دل جاری ہوگا انہی الفاظ کے ساتھ مرید کا ذکر جاری ہوگا۔ عام آدمی اس میں ترمیم نہیں کرسکتا۔ کاملین کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ذکر کے الفاظ میں ردّ و بدل کرسکیں۔ عارف باللہ کے سینے سے سینہ ملانے سے بھی دل کی دھڑکنیں متاثر ہو جاتی ہیں۔ دل کے ذکر کے ساتھ دین حق اسلام کی پابندی ضروری ہے۔ اگر اللہ سے محبت ہے اور اللہ سے ملاقات کا شوق ہے تو مطلق دل کے ذکر پر تکیہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ باقی اجزائے دین کو ملا کر مکمل دین پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مطلق دل سے ذکر کرنے والے نماز سے غافل انسان کو وہ مدارج حاصل نہیں ہوتے جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔

واضح ہو کہ ہندو جوگی اور عیسائی راہب بھی محنتِ شاقہ سے دل کو جاری کر لیتے ہیں۔ یعنی دل کے اجرا کا مقام غیر مسلم بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک فن ہے۔ جس طرح طب، صنعت وحرفت ایک فن ہے جو محنت کرے گا، دل کو جاری کر لے گا۔ اللہ کے فضل اور استادوں کے تعاون سے کام جلدی ہو جاتا ہے۔ عملی زندگی میں ایسے بہت سے فقرا مل جاتے ہیں کہ ان کا قلب تو اللہ اللہ کر رہا ہے لیکن وہ حلال رزق نہیں کھاتے، نماز نہیں پڑھتے، بلکہ شریعت کے خلاف عمل بھی کر جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو دیکھ کر مرید میں بھی گمراہی اور جہالت گھر بنا لیتی ہے۔ خلاف شریعت عمل کرنے والے لوگوں پر ذکر کے فضل کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ ایسے لوگ جو ذکر تو کرتے ہیں لیکن شریعت کی پابندی نہیں کرتے اپنی محنت اور ذکر کا بدلہ اسی دنیا میں پا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا کے طلب گاروں کو ان کی محنت کا اجر دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ اس مضمون پر ہم تفصیل سے نیت کے باب میں لکھ چکے ہیں۔

قرآن اور حدیث میں قلبی ذکر اور اجرائے قلب کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ نہ تو فرض ہے اور نہ ہی سنت۔ نبی ﷺ خفیہ ذکر تو کیا کرتے تھے لیکن دل کے اجرا کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ اصل میں سارے کام چھوڑ کر صرف قلبی ذکر کے پیچھے پڑ جانا ضروری نہیں ہے۔ فرصت کی گھڑیوں میں اتنا وقت نہیں ملتا کہ اجرائے قلب کی کوشش کی جائے۔ صحابہ کرامؓ حلال رزق کی تلاش اور جہاد میں بہت سا وقت صرف کیا کرتے تھے اس لیے نماز، تہجد اور دعوت دین سے فارغ ہو کر بہت تھوڑا وقت ملتا تھا جس میں وہ ذکر ذات یا صفات کرتے۔

اگر قلب کا جاری ہونا شریعت کے ارکان میں سے ہوتا تو نبی ﷺ خود صحابہ کرامؓ کو یہ فن سکھاتے۔ اکابر صوفیہ مثلاً حسن بصری، جنید بغدادی اور معروف کرخی رحمہم اللہ کے ملفوظات میں بھی اجرائے قلب کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ تو بعد میں جب تصوّف نے احسان سے نکل کر ایک باقاعدہ نظریے یعنی School of Thought اور فلسفے کی شکل اختیار کی تو پھر اجرائے قلب کی بھی شہرت ہوئی

اور اسے ایک مقبول عام عمل بنا دیا گیا۔ آج کل تو اجرائے قلب کے بغیر عوام کسی کو اللہ کا دوست تسلیم ہی نہیں کرتے۔ دراصل یہ بزرگوں کا ایک طریقہ ہے جسے ایک فارغ انسان اختیار کر سکتا ہے۔ کاروباری اور محنت مشقت سے روزی کمانے والے لوگوں کے بس سے باہر ہے کہ وہ دل کے ساتھ ذکر کر سکیں۔ اگر شریعت کی پابندی اور رزق حلال کے کمانے کے ساتھ دل اللہ اللہ کرے تو اسے اللہ کا خاص فضل سمجھنا چاہیے۔

جذب

توجہ، استغراق اور جذب بھی نفس انسانی کے حصے ہیں۔ ایک ذکر کرنے والا شخص خفیہ ذکر کرتے ہوئے اپنے اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو جاتا ہے اور خیالوں، سانسوں یا دل کی حرکتوں کے ساتھ ذکر میں اتنا مصروف اور متوجہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کی پہچان بھی بھول جاتی ہے۔ جذب کی اس حالت میں بعض اوقات عقل بھی کام چھوڑ جاتی ہے اور دیکھنے والے ایسے ذاکر کو پاگل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جذب و استغراق دائمی نہیں ہوتا عارضی اور وقتی ہوتا ہے۔ یہ حالت بھی اللہ کی توفیق اور عنایت سے ملتی ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

دون الجہر

یہ ذکر کا عام طریقہ ہے۔ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ سے ثابت ہے۔ اس کا قرآن میں حکم ہے۔ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے اور صحابہ کا عمل بھی اسی پر تھا۔ یہ ایسا طریقہ ہے جس کو ہر خاص اور عام شخص کر سکتا ہے۔ ذکر کی ترتیب سے یہ دوسرے نمبر کی نیکی ہے۔ اس ذکر کی حالت میں الفاظِ ذکر منہ سے ادا تو ہوتے ہیں، زبان بھی ہلتی ہے، بعض اوقات لب بھی ہلتے ہیں لیکن آواز لبوں سے باہر نہیں آتی، اگر کان بھی لب پر لگا دیے جائیں تو بھی آواز کان کو سنائی نہیں دیتی، اکثر لوگ نماز اسی طرح پڑھتے ہیں۔ زبان تو ہلتی ہے لیکن لبوں سے آگے آواز خارج نہیں ہوتی۔ یہ ذکر کا ایک محبوب ترین طریقہ ہے۔ اگر کوئی چاہے تو سانس اور زبان کی

حرکت کو ملا کر بھی ذکر کرسکتا ہے۔ دل اور زبان کی حرکتوں میں بھی ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے۔ زبان کے ساتھ خاموش ذکر کو حضور ﷺ نے بہت پسند فرمایا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ''وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ'' نازل ہوئی تو ہم کسی سفر کے دوران نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ نبی ﷺ کے بعض ساتھیوں نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ یہ آیت تو چاندی سونے کے بارے میں ہے۔ کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ کون سا مال بہتر ہے تو ہم اس کو جمع کرتے۔ جب آپ ؐ نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا:

اَفْضَلُہٗ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَقَلْبٌ شَاکِرٌ وَزَوْجَۃٌ مُؤْمِنَۃٌ تُعِیْنُہٗ عَلٰی اِیْمَانِہٖ

بہترین مال خدا کا ذکر کرنے والی زبان ہے اور خدا کا شکر کرنے والا دل ہے اور مومن بیوی جو شوہر کے دین وایمان میں مددگار رہو۔ (احمد۔ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَامَعَ عَبْدِیْ اِذَاذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ

میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر سے حرکت کرتے ہیں۔ (بخاری)

دون الجہر یعنی بغیر آواز نکالے زبان سے ذکر کرنے کی بہترین مثال ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں کہ نماز کے دوران زبان تو حرکت کرتی ہے لیکن لبوں سے باہر آواز نہیں نکلتی۔

بلند آواز سے ذکر

ذکر جہر یعنی بلند آواز سے اللہ کو یاد کرنا بھی جائز ہے۔ فجر، مغرب اور عشا کی نمازوں میں نبی ﷺ قرآن کی تلاوت بلند آواز میں کیا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو سلام کے بعد اللہ اکبر بلند آواز میں ادا کرتے۔ بعض اوقات فرض نماز کے بعد کیے جانے والے اذکار بھی بلند آواز میں ادا کرتے۔ بعض اوقات ہلکی آواز میں ادا کرتے۔ جہاد کی تسبیحات، حج کی تلبیہ اور دیگر بہت سارے مواقع پر آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ؐ نے اللہ کا نام بلند آواز میں ادا کیا۔

احادیث میں بہت سے اذکار موجود ہیں جو صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے سنے۔ صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے بلند آواز میں پڑھے اور نزدیک بیٹھے ہوئے صحابہؓ نے سن کر یاد کر لیے اور آگے دوسروں تک روایت کر دیے۔ گھروں میں قرآن پاک کی تلاوت بلند آواز میں کرنا صحابہؓ سے ثابت ہے۔ قرآن اور جہری نمازوں کے علاوہ بھی ذکر بلند آواز سے کرنا ایک مشہور فعل ہے۔

البتہ بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ یہ ذکر ہلکی اور پست آواز سے ہونا چاہیے۔ چیخ چیخ کر اور شور مچا کر بلند آواز سے ذکر کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ نے مسجدوں میں شور کرنے، بلند آواز سے چیخ چیخ کر ذکر کرنے اور آپس میں بلند آواز میں باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مسجد میں لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں یا پھر ذکر ذات وصفات میں مصروف ہوتے ہیں۔ ایسے ماحول میں جب لوگ بلند آواز میں ذکر کریں گے تو نمازیوں کی نماز خراب ہو جائے گی۔ بعض لوگ تو بھول جاتے ہیں کہ وہ کیا پڑھ رہے تھے یا آگے انہوں نے کیا پڑھنا ہے۔ اسی لیے نمازی اور قرآن کی تلاوت کرنے والے کو سلام دعا بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص درس قرآن دے رہا ہے اور ایک نیا آدمی مجلس میں داخل ہوتا ہے اور بلند آواز میں سلام پکارتا ہے، لوگ بھی بلند آواز میں جواب دے دیتے ہیں اس طرح درس دینے والے کے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نبی ﷺ نے خطبہ جمعہ کے دوران بولنے سے منع فرمایا ہے۔ درس قرآن کے دوران خاموشی سے آکر بیٹھ جانا چاہیے۔ جو لوگ اپنی دھن میں ذکر کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی سہولت کا خیال نہیں کرتے ان کے ذکر کا اجر بہت کم ملتا ہے۔ بلکہ دوسروں کی نماز، ذکر، تلاوت اور تقریر خراب کرنے کا گناہ ملتا ہے جو ذکر کی نیکی سے مقدار اور وزن میں زیادہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر نیند غالب آرہی ہو یا گھر کی تنہائی ہو تو ہلکی بلند آواز میں ذکر کرنا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ اپنے گھر میں بھی ذکر کرتے وقت لوگوں اور گھر والوں کے آرام اور تہجد وغیرہ کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ایک شخص اعتکاف میں بیٹھا ہے اور تہجد کے نفل پڑھ رہا ہے ادھر سحری میں جگانے والے لاؤڈ سپیکر پر لوگوں کو

بیدار کرنے کے لیے نعتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں معتکف کی تہجد کی ساری عبادت خلل کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر اس حدیث کی صداقت سمجھ میں آجاتی ہے جس میں مسجد میں شور کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ ان دو آدمیوں کو بلا لاؤ جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کو بلا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا کہ

تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَکُمَا فِی مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ | تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں زور زور سے باتیں کرتے ہو۔ (بخاری)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعتکاف کے حجرے سے نکلے، دو مسلمان مسجد میں بیٹھے جھگڑا کر رہے تھے۔ (مسجد میں شور کر رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں لیلۃ القدر کے متعلق بتانے آیا تھا کہ فلاں فلاں شخص نے جھگڑا کیا پس شب قدر کی شناخت مجھ سے اُٹھالی گئی۔ (بخاری) ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مسجد میں شور وغل کرنا منع ہے۔

جمعہ کے خطاب کے دوران بولنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَکَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَھُوَ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِیْ یَقُوْلُ لَہٗ اَنْصِتْ لَیْسَتْ لَہُ الْجُمُعَۃُ.

جو کوئی جمعہ کے دن بولے اس وقت کہ جب امام تقریر کر رہا ہو یا خطبہ دے رہا ہو تو وہ شخص اس گدھے کی مانند ہے جس نے بوجھ اُٹھایا ہوا ہے۔ اور جو اسے کہتا ہے کہ چپ ہو جاؤ تو اس کو بھی جمعہ کا ثواب نہیں ملتا۔ (احمد)

اس حدیث سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص درسِ قرآن یا درسِ حدیث دے رہا ہو تو خاموشی سے سننا چاہیے۔

حلقۂ ذکر

اصحاب صفہؓ اللہ اور اس کے رسول کے مہمان تھے۔ دین کے کام کے لیے انہوں نے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا تھا۔ ان میں زیادہ تر وہ مہاجر تھے جن کو کوئی رہائشی جگہ نہ مل سکی تھی۔ ان کی تعداد کم یا زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ کچھ تو ایسے تھے کہ چند ماہ مسجد کے مہمان رہتے اور پھر نئی جگہ پر چلے جاتے۔ کچھ دینی امور کی انجام دہی میں مختلف فرائض و امور سرانجام دیا کرتے تھے۔ کچھ تعلیم و تربیت کے لیے وہاں قیام پذیر تھے اور تحصیل علم کے بعد اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے۔ کچھ جہاد اور دعوت کا کام کرتے تھے اور اکثر وفود میں شرکت کیا کرتے تھے۔ کچھ روزمرّہ کے کاموں میں دن کو مصروف رہتے رات مسجد میں پڑے رہتے۔ جو لوگ مسجد میں قیام پذیر ہوتے وہ اکثر ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ کر علم حاصل کرتے، قرآن پڑھتے پڑھاتے یا مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے۔ کبھی کبھار ذکر الٰہی بھی کر لیا کرتے۔ اصحاب صفہ کی مختلف مصروفیات کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ اصحاب صفہ کے ان حلقوں میں بعض اوقات مدینہ کے باسی شامل ہو جاتے۔

حلقہ بنا کر بیٹھنا اسلامی آداب معاشرت کا حصہ ہے۔ دائرے کو عربی میں حلقہ کہتے ہیں۔ حلقے میں بیٹھنے سے سب کے منہ ایک دوسرے کی طرف ہوتے ہیں۔ تھوڑے افراد کی مجلس شوریٰ ہو یا بچے قرآن مجید کا سبق لے رہے ہوں یا کھانے کی کوئی دعوت ہو تو لوگ حلقہ بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح جب تھوڑے آدمی ذکر کرنا چاہیں تو وہ ایک حلقہ بنا لیتے ہیں۔ اگر تعداد شرکا بڑھ جائے تو بعد میں آنے والے پہلے سے قائم حلقہ کے پیچھے ایک صف اور بنا کر حلقے کو وسیع کر لیتے ہیں۔ حلقہ بنا کر قرآن پڑھنا، تعلیم و تربیت حاصل کرنا، وعظ و نصیحت کرنا اور ذکر الٰہی کرنا اصحابِ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَایَقْعُدُقَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّاحَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ.

(المسلم)

نہیں بیٹھتی کوئی قوم ذکر الٰہی کے لیے مگر یہ کہ گھیر لیتے ہیں اس کو فرشتے، اور چھا جاتی ہے اس پر رحمت، اور نازل ہوتی ہے اس پر سکینت یعنی سکون۔ اور ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ان فرشتوں میں جو اس کے ہاں مقرب ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَامَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْاقَالُوْاوَمَارِیَاضُ الْجَنَّۃِ؟ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ.

(ترمذی)

جس وقت تم بہشت کے باغوں میں سے گزرو تو میوہ کھایا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بہشت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا ذکر الٰہی کے حلقے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت ہے جس میں ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صحابہؓ کے ایک حلقہ میں تشریف لے گئے اور پوچھا:

مَااَجْلَسَکُمْ ھٰھُنَاقَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ وَنَحْمَدُہٗ عَلٰی مَاھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِہٖ عَلَیْنَا.

(مسلم)

تمہیں اس طرح کس چیز نے بٹھایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہاں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس بات پر کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے اس کی تعریف کرتے ہیں اور اللہ کے احسانات کا ذکر کرتے ہیں۔

اس حدیث کا آخری جملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پاس تمہارے اس حلقۂ ذکر کی وجہ سے فخر کرتا ہے۔

مجلس ذکر

تھوڑے آدمی تو حلقہ میں جمع ہو سکتے ہیں لیکن اگر شرکا کی تعداد زیادہ ہو جائے یا جگہ تنگ ہو اور انسان زیادہ ہوں تو پھر حلقہ قائم نہیں رہ سکتا اور لوگ مل کر اس طرح بیٹھ جاتے ہیں کہ درمیان کی خالی جگہ ختم ہو جاتی ہے اور دائرہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسی مجلس بھی جائز ہے۔

مجلس یا جلسۂ عام کے لیے صدرِ مجلس ایک جانب بیٹھتا ہے اور باقی لوگ صدر کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے جمعہ کے دن خطبہ کے وقت لوگ ایک مجلس بنا کر بیٹھ رہے ہوتے ہیں۔ درس قرآن، تعلیم کے لیے بھی یہ نظم بنایا جا سکتا ہے۔ آج کل کلاس روم میں بچے اس طرح پڑھتے ہیں۔ یہ مجلسیں دنیاوی کاموں کے لیے بھی بنائی جا سکتی ہیں۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جب بھی دو سے زیادہ انسان اکٹھے ہوں تو ان کو اس مجلس میں اللہ کا نام لینا چاہیے خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو۔ وعظ و نصیحت ہو، تعلیم و تربیت ہو، درس قرآن ہو یا اگر کوئی دنیاوی کام ہی ہے تو بھی اس میں اللہ کی بات ضرور ہونی چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ.	جو شخص بیٹھا کسی مجلس میں اور وہاں اللہ کا ذکر نہیں کیا، وہاں اس کا بیٹھنا اللہ کی طرف سے اس کے لیے حسرت اور نقصان کا باعث ہوگا۔ (ابوداؤد)

ایک مجلس کو کس قدر مفید بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا انحصار صدر مجلس اور اس کے رفقا پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی صاحب علم و حکمت ہستی اس مجلس میں موجود ہو تو ایک مجلس بھی زندگی کی یادگار مجلس بن جاتی ہے۔ بہتر ہے کہ ایسی مجلسوں میں ذکر کے ساتھ وعظ و نصیحت بھی کی جائے۔

مراقبہ

مراقبہ رَقَبَۂ و رَقَابَةً سے مشتق ہے۔ رَقَبَۂ کے معنی ہیں نگہبانی کرنا، انتظار کرنا، ڈرانا، گردن میں رسی ڈالنا، اسی سے لفظ رقیب نکلا ہے۔

مراقبہ کے معنی ہیں ایسی جگہ جہاں سے بیٹھ کر نگرانی کی جاسکے، انتظار کیا جاسکے، غور وفکر اور سوچ بچار کی جاسکے۔

اہل ذکر کی اصطلاح میں مراقبہ ایسی نشست کو کہتے ہیں جس میں ذاکر اپنے ایمان، خیال، ذکر اور تصور کی نگہداشت اور محاسبہ وانتظار کر سکے اور اپنے سانس، دل اور افعال کی نگرانی کرے، سب سے کٹ کر اللہ کی طرف دھیان کر سکے۔ مراقبے کی افادیت کو سمجھنے کے لیے بلّی کی نشست پر غور کیا جاسکتا ہے۔ بلّی اپنے شکار کے انتظار میں ایسی چپ سادھ کر بیٹھتی ہے کہ چوہے کو اس کے وجود کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ اچانک بلی چوہے پر حملہ کر دیتی ہے اور وہ ایسی خاموش کارروائی کرتی ہے کہ پاؤں کی آہٹ تک کا پتہ نہیں چلتا۔ بس یہی حالت مسلمان کے مراقبے کی ہے کہ وہ اپنے ایمان، اعضائے جسم، تصور، فکر وذکر میں کچھ ایسا کھو جاتا ہے کہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ ایک مفید عمل ہے اگر صحیح انداز میں کیا جائے۔ بیٹھنے کے تین طریقے ہیں۔

دوزانو ہو کر بیٹھنا، جس طرح نماز کے قعدے میں بیٹھتے ہیں۔ یہ بیٹھنا نماز میں تو فرض ہے لیکن نماز سے فارغ ہو کر اسی حالت میں بیٹھے رہنا ضروری نہیں۔ بعض لوگ بہت عرصہ کے لیے دوزانو بیٹھ سکتے ہیں، لیکن کچھ لوگ جلد تھک جاتے ہیں اور بیٹھنے کی اس حالت کو بدل لیتے ہیں۔ دوزانو ہو کر بیٹھنا نبی ﷺ کو بہت پسند تھا۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں:

ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجلَهُ الْيُسْرىٰ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرىٰ وَمَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى.

اس طرح دوزانو ہو کر بیٹھتے کہ بائیں پاؤں کو پھیلا لیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو پہلو سے ہٹا کر دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا۔

(ابوداؤد)

نماز میں دایاں پاؤں انگلیوں پر کھڑا رکھتے ہیں لیکن نماز سے فارغ ہو کر اگر دایاں پاؤں بھی پھیلا لیا جائے تو جائز ہے۔ دونوں پاؤں دائیں جانب پھیلا کر چہار زانو بھی بیٹھا جاسکتا ہے اور یہ حالت مراقبے کے لیے آسان ترین حالت ہے۔

ایک زانو پر بیٹھنا اور ایک گھٹنے کو کھڑا کر لینا۔ ایسا بیٹھنا بھی مسنون ہے اور نبی ﷺ کھانا کھاتے وقت ایک زانو پر بیٹھا کرتے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مُقْعِیًا یَاْکُلُ تَمْرًا. (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں بیٹھے دیکھا کہ ایک پاؤں پر کولہا رکھے تھے اور ایک زانو کھڑا تھا اور آپؐ کھجور کھا رہے تھے۔

دونوں زانو کھڑے کر کے بیٹھنا، یعنی تلوے اور سرین زمین پر رکھنا اور ہاتھوں کا حلقہ پنڈلیوں کے گرد بنا لینا، اگر ہاتھ تھک جائیں تو کپڑے اور چادر سے بھی یہ حلقہ بنایا جا سکتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِفِنَاءِ الْکَعْبَۃِ مُحْتَبِیًا بِیَدِہٖ . (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صحن کعبہ میں اس طرح بیٹھے دیکھا کہ آپؐ کے دونوں زانو کھڑے تھے اور پنڈلیوں پر ہاتھوں کا حلقہ بنائے ہوئے تھے۔

جب انسان بیٹھے بیٹھے تھک جائے تو اس طرح سے بھی بیٹھا جا سکتا ہے۔ دونوں پاؤں پر بھی بیٹھا جا سکتا ہے جس طرح انسان پیشاب یا پاخانے کی حالت میں بیٹھتا ہے اور سرین کو زمین پر رکھ کر بھی بیٹھا جا سکتا ہے۔

آلتی پالتی مار کر بیٹھنا جسے ہم پنجابی میں بیٹھک کہتے ہیں۔ ایسے بیٹھنے کو رسول اللہ ﷺ نے متکبرانہ انداز کہا ہے۔ لیکن اگر انسان بیٹھے بیٹھے تھک جائے تو حالت بدلنے کے لیے ایسے انداز میں بیٹھنا بھی جائز ہے۔ آج کل کے رواج کے مطابق لوگ مراقبے کے لیے اسی انداز میں بیٹھتے ہیں۔ جب کہ حالت دوزانو میں بیٹھنا زیادہ بہتر ہے۔ بعض اوقات بیٹھے بیٹھے ٹانگیں سُن ہو جاتی ہیں، ایسی حالت میں جو بھی انداز ہو متکبرانہ نشست سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر انسان مراقبے کے لیے اسی انداز کو ہی پسند کرتا ہے تو پھر اس کے لیے لازم ہے کہ وہ گردن جھکا کر عاجزی کے انداز میں بیٹھے، گردن اکڑا کر بیٹھنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

گوتم بدھ کا مجسمہ دیکھا جائے تو اس کا اندازِ نشست اسی طرح کا ہے۔ گوتم بدھ کا زمانہ نبی علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا زمانہ ہے۔ گوتم کے اندازِ نشست میں ایک خاص نکتہ ہے کہ اس نے پاؤں کے انگوٹھے کو مخالف گھٹنے کے عقب میں پائی جانے والی رگ کماس پر رکھ کر دبایا ہوا ہے۔ گوتم کے اس انداز کو ہمارے دوست مراقبہ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ انداز سنت کے مطابق متکبرانہ ہے۔ غور و فکر کرتے وقت آنکھیں بند کرنا ضروری نہیں۔ نبی علیہ وسلم نے نماز میں آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ نماز آنکھیں کھول کر پڑھنی چاہیے۔ اس طرح ذکر و فکر، مراقبہ اور انتظار بھی کھلی آنکھوں سے کرنا چاہیے۔ لیکن حیف کہ آج کا مسلمان آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرتا ہے۔ انوار و تجلیات کا کھلی آنکھوں سے نظر آنا پائیدار اور مفید ہوتا ہے اور جو کچھ بند آنکھوں سے نظر آئے وہ ناپائیدار اور عارضی ہوتا ہے۔ ہم تو اس معرفت کے طالب ہیں جو کھلی آنکھوں سے علم کی روشنی میں حاصل ہو۔

مراقبے کے مختلف فوائد

مراقبۂ ایمان

انسان یہ خیال کرے کہ میرا ربّ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے اعمال کا رقیب ہے، نگہبان و نگران ہے۔ خود انسان اپنی تنہائی میں اپنے آپ پر اور اپنے اعتقادات و افعال پر غور کرے کہ وہ کس حد تک اخلاص و صداقت پر مبنی ہیں۔ حدیث جبریل علیہ السلام کا یہ فقرہ بہت اہم ہے۔

قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ (بخاری)

استغراق فی الذکر

مراقبہ کی حالت میں انسان ذکر کرتے کرتے اتنا غرق ہو جائے کہ اسے ارد گرد کا ہوش ہی نہ رہے۔ اس کا خیال، اس کا دل، اس کی سانس، اس کا رُواں رُواں ذکر الٰہی میں مصروف

ہو جائے۔

مراقبۂ خیال

انسان کو اچھے خیال بھی آتے ہیں اور بُرے خیال بھی۔ نگہبانی اور نگہداشت کا تقاضا ہے کہ بُرے خیال کو ردّ کر دیا جائے اور اچھے خیال کو قبول کیا جائے۔ طُولِ اَمل (لمبی امیدیں) ایک گناہ ہے، شیخ چلی کے منصوبے بھی غلط ہیں۔ شیطانی وساوس بھی انسان کے لیے نقصان دہ ہیں۔ دولت کی حرص اور طلب دنیا کا خیال بھی نقصان دہ ہے۔ اس لیے مراقبے کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے خیال کی نگرانی کرے اور ہر خیال کو شریعت کی میزان پر پرکھے۔ مشورہ سے بھی خیال کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ نیک صحبت بھی خیال کو ٹھیک کر دیتی ہے۔ خیالات کی نگہداشت ایک مستقل شعبہ ہے۔

مراقبۂ آخرت

آخرت کے محاسبہ پر غور وفکر کرنا اور اپنے اعمال کو آخرت کی میزان میں تولنے سے کافی اصلاح ہو جاتی ہے۔ انسان سارے دن کے اعمال کو رات کی تنہائی میں دیکھے۔ اچھے اعمال پر اللہ کا شکر ادا کرے اور بُرے اعمال پر شرمندہ ہو، اللہ سے معافی طلب کرے، استغفار پڑھے اور توبہ کرے۔

مراقبۂ خواہشات

خواہشات نفس کا گھوڑا بڑا منہ زور ہے۔ اس کی نگرانی، احتساب اور سخت گرفت ضروری ہے۔ نفس امارہ کی سختی سے نگرانی ضروری ہے۔ اور بھوک، پیاس، جنس، عزت، ریاء الناس کی خواہشات کو شریعت کی میزان پر تولنا اور حق کی رسی سے باندھنا بہت ضروری ہے۔ دن میں خواہشات کئی روپ بدلتی ہیں اس لیے نگرانی ومحاسبہ کو بھی چوکس رہنا پڑتا ہے۔ خواہشات کی نگرانی کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر کام مکمل نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ نفس کا عمل سارا دن جاری رہتا ہے۔ معاملات دنیا کرتے وقت خواہشات کی بے راہ روی کے امکانات زیادہ ہیں، اس لیے مراقبہ نفس کے لیے

بیٹھنا ضروری بھی نہیں ہے۔ یہ چوکسی تو ہر وقت اور دائم ہے جس طرح چوکیدار ساری رات جاگ کر گلی محلے کی نگرانی کرتا ہے اسی طرح محاسبہ و مراقبہ نفس کے لیے چوبیس گھنٹے کی نگرانی ضروری ہے۔

مراقبۂ اعضا

آنکھ، کان، ذائقہ اور لذت کی خواہش کی نگرانی بھی ایک ضروری امر ہے۔ آنکھ حلال دیکھے حرام سے پرہیز کرے، کان حق سنے، ناحق سے پرہیز کرے، ذائقہ اور لذت بھی جائز چیزوں سے حاصل کی جائے۔

مراقبۂ شہوت

خواہشات نفس میں سے جنسی شہوت کی خواہش بہت زوردار ہے۔ خاص کر تنہائی اور گوشہ نشینی میں تو اس کے مفسدات اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔ عوام الناس سے میل جول کے وقت بھی بعض اوقات شہوت کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ خلوت اور جلوت دونوں حالتوں میں شہوت کی تباہ کاریوں سے بچنا ضروری ہے اور یہ پرہیز اور تزکیہ مراقبہ و محاسبہ سے ہی ممکن ہے۔ غیر عورتوں سے ملاقات کے وقت آنکھیں نیچی رکھنا اور خیال کو پاک رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس بارے میں شریعت کے احکامات بہت واضح ہیں۔ جملہ نفسانی خواہشات کے ساتھ ساتھ شہوت کی نگرانی اور شریعت کا پہرہ بہت ضروری ہے۔

مراقبۂ علم

اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔ اپنے علم کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ہم جو علم حاصل کر رہے، جو کتاب پڑھ رہے ہیں، وہ کس حد تک مفید ہے۔ فحش کتابوں کے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دوزانو بیٹھ کر انسان جب بہت سی باتوں کی نگرانی کرتا ہے تو اسے اپنے علم کا بھی احتساب کرنا چاہیے۔ فرض، سنت، نفل کی تفصیلات کا علم ضروری ہے۔ بہت سے کام انسان اپنی کم علمی کی وجہ سے صحیح سمجھتا ہے حالانکہ وہ کام بنیادی طور پر غلط ہوتے ہیں۔

وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ (۱۰۴۔الکھف۔۱۸)

اس لیے علم کی حدود سے آشنائی اور اپنے اعمال کو میزان عدل پر پرکھنے کی عادت مراقبے کی جان ہے۔

کاروبار دنیا کا مراقبہ

رات کو بیٹھ کر اگر انسان یہ غور کرے کہ آج اس نے دوکان پر کیا کچھ کیا ہے تو اگلے دن کے لیے کافی باتوں اور کاموں میں اصلاح ہوسکتی ہے۔ آج کی بہت سی غلطیوں سے اگلے دن بچا جاسکتا ہے۔ اچھا مسلمان تو وہ ہے کہ جو کاروبار کے دوران سوچ لے کہ میرا کاروبار زندگی شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ دوکاندار ترازو میں تولتے وقت ہی اگر سوچ لے کہ کل کو میرے اعمال بھی اسی طرح تولے جائیں گے تو بہت سے مظالم سے بچ سکتا ہے۔ اپنے احوالِ روزگار کی نگرانی اور شریعت کی میزان عدل پر اسے تولنا ایک مفید مراقبہ ہے۔ کاروباری مراقبہ ومحاسبہ کے لیے بیٹھنا ضروری نہیں لیکن اگر چند ساعتوں کے لیے انسان تدبر و تفکر کرلے تو بہت سے عقدے حل ہو سکتے ہیں۔

حسن انتظار

انتظار بھی مراقبے ہی کی ایک شکل ہے۔ انسان کو بڑے صبر و حوصلے سے اچھے وقت اور اپنی کارکردگی کے اچھے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔ اللہ کی رحمت کا انتظار، دعوت کے اثرات کا صبر سے انتظار کرنا ایک بہت بڑے حوصلے اور توکل کا کام ہے۔ اقامت دین کے لیے جو جدوجہد ہورہی ہے اس کاوش کے نتائج کا انتظار بھی ایک اچھی چیز ہے۔ انسان کو اللہ کے بھروسے پر صحیح سمت میں کام کرتے رہنا چاہیے۔ نتائج اللہ کے سپرد کر کے اپنے حصے کا کردار ادا کر دینا چاہیے۔

مراقبے کے منفی پہلو

بدھ بھکشوؤں کی دیکھا دیکھی اور ہندو جوگیوں کے اثر سے مسلمانوں میں مراقبے کے

غلط استعمال کا رواج بڑھ گیا اور اب مراقبہ اپنی نگرانی اور انتظار کی افادیت کھو چکا ہے۔ اب تو مراقبہ کا تعلق صرف تصور اور عملیات سے رہ گیا۔

کچھ لوگ مراقبے میں گوتم بدھ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں، آنکھیں کھلی رکھنے کی بجائے بند کر لیتے ہیں اور تصور میں استغراق سے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مراقبۂ نفس کرنے کی بجائے اپنے بزرگوں، دوستوں اور مریدوں کا تصور باندھتے ہیں۔ اس طرح سے کچھ اوراد و وظائف کے ذریعے اپنے متوسّلین کو متاثر کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہ عام رواج ہے کہ ایک پیر مراقبے میں اپنے شاگرد یا مرید کا تصور باندھتا ہے اور اسے یاد کر کے اپنے پاس بلاتا ہے۔ مرید کسی کاروبار میں مصروف ہوتا ہے اور اسے اپنے مرشد کا خیال آ جاتا ہے۔ اس طرح وہ مرید اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر پیر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ یہ تصور کی ایک ایسی حالت ہے جس سے ایک عام انسان تھوڑی سی مشقت کر کے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

کچھ عامل لوگ جنّات سے رابطہ رکھتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے مراقبہ کی حالت میں کچھ وظائف پڑھتے ہیں اور اس طرح سے وہ جنات کے معاملہ میں بہت سے شعبدے دکھا کر لوگوں کو مرعوب کر لیتے ہیں اور پھر ان سے نذرانے وصول کر کے اپنے کاروبار زندگی کو چلاتے ہیں۔ عملیات میں مراقبے سے بہت مالی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں مگر یہ خلاف سنّت ہے۔

مراقبے کو نگرانی کی بجائے صرف اوراد و وظائف کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ فکر، توجہ، غور و خوض کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ بلکہ صرف رسم مراقبہ ہی رہ گئی ہے۔ بعض اوقات انسان آنکھیں بند کر کے مراقبے کی حالت میں بیٹھا ہوتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ استغراق میں ہے اور وہ ہے کہ نیند میں خراٹے لے رہا ہے۔

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقبالؒ

تصورِ شیخ پر علما میں اختلاف ہے۔ کچھ اسے جائز اور کچھ گناہ سمجھتے ہیں۔ میری تحقیق یہ ہے کہ اگر ہدایت کی طلب میں اپنے بزرگوں کا تصور باندھ لیا جائے یا اپنے رفقا کو یاد کر لیا جائے تو گناہ نہیں کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اس لیے تصور کے ذریعے اکتسابِ فیض ہونا ممکن ہے۔ انسان خود بھی روحانی ترقی کر سکتا ہے اور اپنے رفقا و متوسّلین کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اچھا خیال خدا کی رحمت ہے۔ اسی طرح اپنے ساتھیوں کے بارے میں اچھا تصور بھی خدا کی رحمت ہے۔

البتہ اگر تصورِ شیخ سے حصولِ مقاصدِ دنیا کی نیّت ہو، یا غیر اللہ کی مدد کی طلب اور استغاثہ **لغیر اللّٰہ** ہو تو یہ صریحاً شرک ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اللہ کے سوا کسی زندہ یا مردہ انسان سے دعا کرنا اور فوق الفطری مدد طلب کرنا گناہ ہے۔ اس لیے ایسے تصور سے جو قرآن اور سنت سے ثابت نہیں ہے پرہیز کرنا چاہیے۔

ذکر کے درجے

ذکر کے تین درجے ہیں۔

فرض : مثلاً نماز باجماعت، قرآن کی تلاوت۔
کلمہ شہادت، درود شریف ابراہیمی۔

سنّت : کثرت سے نوافل ادا کرنا، تہجد پڑھنا۔
قرآن کی تلاوت، کثرت سے اذکار مسنونہ ادا کرنا۔

نفل : فرض اور سنت سے زیادہ جتنا انسان اللہ کو یاد کر سکے سب جائز ہے۔ اللہ کی یاد میں رطب اللسان رہنا اور ہر دم اسے یاد رکھنا، باوضو رہنا اور رات کی تنہائی میں ذکر و فکر اور مراقبہ نشینی کرنا بہت مفید ہے۔

یاد رہے کہ فرائض کی پابندی ضروری ہے۔ لیکن نوافل اور مستحبّات کی پابندی ضروری نہیں۔ البتہ جو شخص استقامت سے کثرت و دوام ذکر کرے گا اس کے فرائض بھی اس کے لیے زیادہ مفید بن جائیں گے اور جو شخص فرائض کا تارک ہے اور نوافل کا پابند ہے اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہو گی۔

ذکر کے آداب

نیت

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اس لیے ذکر کی نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

(۲۰۷۔البقرہ۔۲)

اورانسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جورضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہےاور ایسےلوگوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۱۴

(۱۱۴۔النساء۔۴)

اور جوکوئی اللہ کی رضاجوئی کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔

ان احکامات کی روشنی میں صحیح نیت یہ ہے کہ مسلمان صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ذکر کرے۔کسی دنیاوی فائدے کے لیے ذکر کرنا مناسب نہیں۔اگر کوئی دنیاوی چیز مطلوب ہے تو اس کے حصول کے لیے دعا کرنی چاہیےاور دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے۔

خدا کی مغفرت کا حصول، دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی نیت سے بھی ذکر کرنا جائز ہے۔اس باب میں ایک تفصیلی بحث ہم کتاب مقصد زندگی کے باب نیت میں کر چکے ہیں۔امر واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان سے خوش ہو جائے گا تو وہ اس کے گناہ معاف کر کے اسے جنت میں داخل کر دے گا۔اس لیے رضائے الٰہی کی نیت سب سے افضل نیت ہے۔رہا یہ دنیا کا حصول تو اس کے لیے ذکر کرنے کی بجائے اصولِ معاش و معاشرت کی پابندی کرنی چاہیے اور اللہ سے اس کے فضل اور کرم کی دعا کرنی چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کسی پر کرم نوازی کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کی ضرورتوں کے مطابق رزق فراوانی سے دے دیتا ہے۔رزق کی تقسیم کا ایک ضابطہ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے۔اس کا ذکر سے کوئی تعلق نہیں۔

توجہ

کوئی کام بھی عدم توجہ سے کیا جائے تو وہ مطلوبہ نتائج نہیں دیتا۔اس لیے قرآن پڑھتے وقت پوری توجہ اس کے مطالب وتذکیر کی طرف ہونی چاہیے۔نماز بھی دھیان سے پڑھنی چاہیے۔ نماز میں خیالات آجاتے ہیں لیکن سمجھدار شخص ان خیالات کو جھٹک دیتا ہے اور تیزی سے اپنی توجہ عبادت اور نماز میں پڑھی جانے والی آیات کی طرف کر لیتا ہے۔اگر آیات کا ترجمہ آتا ہو تو بہتر ہے ورنہ الفاظ پر بھی توجہ مرکوز کی جائے تو بہتر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔اسی طرح ذکر ذات یا ذکر صفات کرتے وقت بھی توجہ اور یکسوئی کا ہونا ضروری ہے۔ جب زبان، دل، کان، آنکھ اور عقل سب ایک نقطہ پر اکٹھے ہو کر ذکر میں مصروف ہوں تو ذکر کے فائدے جلد ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔آخرت سے پہلے اسی دنیا میں ذکر کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔روح و قلب کی حضوری سے جو ذکر کیا جائے وہ چند لمحات کے لیے بھی مفید ہے اور بے توجہی سے کیا گیا ذکر کوے کی کائیں کائیں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔عدم توجہ سے کیا گیا بیس سال کا ذکر بھی فضول ہے۔

فکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ (۲۱۹۔البقرہ۔۲)

اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔

الفاظ و معانی پر غور و فکر، توحید، رسالت، اور آخرت پر علمی استدلال کے ساتھ سوچنا ذکر کی افادیت کو بڑھا دیتا ہے۔ جب مسلمان زبان سے اللہ اکبر کہتا ہے اور عقل سے بڑائی پر غور کر کے غیر اللہ کی بڑائیوں کی نفی کرتا ہے تو طاغوتی نظام کی بڑائی ختم کر کے اللہ کی کبریائی کے نظام کی اقامت کی فکر انسان کو سنجیدہ بنا دیتی ہے۔افضل ذکر لا الہ کا پہلا حصہ طاغوت کی نفی کے لیے ہے۔جب اس انکار باطل پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس ذکر کی فضیلت بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

معاشرے میں موجود باطل قانون اور وڈیرے کی سیاسی قوت کی نفی سے مسلمان موجودہ معاشرے کا باغی بن جاتا ہے۔غور وفکر سے ہی معاشرتی ظلم وستم کی نفی کرنا ممکن ہے۔ جب تک جھوٹے صاحبان اقتدار کا انکار نہ کیا جائے اس وقت تک حق پر عمل کرنا ناممکن ہے۔حق و باطل کی آمیزش سے جو نظام بنتا ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی بادشاہی کا انکار کرنے سے بنتا ہے۔اس لیے خالص توحید کا اثبات لفظ الا اللہ سے ہوتا ہے اور اللہ کی ضرب جب دل پر لگے تو دماغ بھی ہل جائے کہ کس باطل معاشرے سے ٹکر لینے کی سوچ رہا ہوں اور باطل کے انکار اور حق کے اثبات کے لیے کتنا زور لگانا ہوگا۔کس قدر تکالیف برداشت کرنی ہوں گی۔ جب سوچ کا دھارا ماضی کے بزرگوں کی قربانیوں اور اپنی نالائقیوں کی طرف مڑتا ہے تو پھر ذکر اور فکر کی ہم آہنگی سے توبہ واستغفار کی طرف ذہن مڑتا ہے اور اخلاق وکردار کی اصلاح ہوتی ہے۔اگر بغیر سوچے سمجھے ذکر کیا جائے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے حقے کی گڑگڑ۔صرف زبان سے لفظ اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے سے وہ نور حاصل نہیں ہوتا جو فکر و تدبر سے حاصل ہوتا ہے۔دل و دماغ کی توجہ سے اور فکر کی یکسانی سے پانچ دس دفعہ اللہ کہنا غفلت کی پوری تسبیح کر لینے سے بہتر ہے۔فکر ذکر کے لوازمات میں سے ہے۔

استغراق

توجہ اور فکر میں جب گہرائی آتی ہے تو پھر ذاکر ہر طرف سے کٹ کر چند لمحات کے لیے اللہ کا ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی تک سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔غیر اللہ سے توجہ ہٹا کر ذات حق کے عرفان اور ادراک میں گہرائی اور سوچ و تدبر کی یکسوئی ایسے مراحل ہیں کہ انسان اپنے ماحول سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔اگر یہ استغراقِ یادِ الٰہی مستقل اور دائم ہو تو پھر انسان حق کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا جاتا ہے۔ غیر سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو رہنا ایک مشکل کام ہے لیکن جو کوئی یہ کر جائے وہ قرآن کے حکم وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا کے مصداق ہو جاتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ذکر کرنے کے ساتھ توجہ اور فکر کو ملا کر استغراقِ حق کی منزل کی طرف سفر کیا جائے۔ یہ استغراق حق صرف ذکر کے لیے ہی ضروری نہیں باقی امورِ دنیا میں بھی یہ کام آنے والی چیز ہے۔اللہ کے حلال کو

حلال سمجھنا اور اللہ کے حرام کو حرام سمجھنا، رزق حلال کما کر کھانا اور دوسروں کی دولت کی بجائے حق کی رحمت اور فضل پر توجہ رکھنا عملی زندگی کو آسان بنا دیتا ہے۔

شوق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ
(۱۵۸۔البقرہ۔۲)

اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

ایک شخص ایک کام دل کی خوشی اور ذوق وشوق سے کرتا ہے اور دوسرا شخص وہی کام مجبوری اور اکتاہٹ سے کرتا ہے۔ ان دو متضاد رویوں کی وجہ سے کام کرنے کا سلیقہ اور نتیجہ بدل جاتا ہے۔ یہی حال ذکر کا بھی ہے۔ جو لوگ مجبوری اور عادت کی نماز پڑھتے ہیں اور بہت کم اللہ کو یاد کرتے ہیں بس ایک رسم نماز ادا کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ منافق کہتا ہے۔

وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۴۲﴾
(۱۴۲۔النساء۔۴)

اور جب یہ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اُٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

اس لیے طالبانِ حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کا ہر کام دل کی خوشی اور شوق سے کریں۔ اقامت دین کی ساری جدوجہد بہتر نتائج اسی وقت دے گی جب ذوق وشوق سے کی جائے۔ جنگ بدر میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں شہید ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟'' تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جنت ملے گی'' وہ کھجوریں کھا رہا تھا اس نے کھجوریں اپنے ساتھ والے کو دے کر کہا کہ باقی کھجوریں جنت میں جا کر ہی کھائیں گے۔ چنانچہ بڑی بے جگری سے لڑا اور شہید ہو گیا۔ اسی طرح اللہ سے ملاقات کا شوق، اللہ کی رضا کی تمنا، اللہ کی رحمت اور فضل کی امید انسان کے اعمال کو نکھار دیتی ہے۔ شوق سے کیا ہوا ذکر بہتر اور مفید ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سات انسان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے ایک ایسا نوجوان بھی ہے:

وَشَابٌّ نَشَأَفِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ جوشوق سے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں لگا دیتا ہے۔

دل کی خوشی اور سوچے سمجھے طریقے سے جو بھی کام کیا جائے گا اس سے دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ ہوگا۔

استقامت

استقامت قیام سے ماخوذ ہے۔ اس میں تکرار اور استقلال کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی ایک جگہ پر کھڑے رہنا اور ہمیشہ کے لیے کھڑے رہنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لوگ اگر راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے۔

(۱۶۔الجن۔۷۲)

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے سوال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. کہہ، کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَاوَاِنْ قَلَّ. (بخاری ومسلم) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال میں سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذکر کے لیے جو معمول بھی بنالیا جائے اس کی پابندی ساری عمر کرنی چاہیے۔ فرائض کی پابندی تو ہر حال میں لازم ہے البتہ نوافل میں کمی بیشی کی آزادی ہے۔ اللہ کی راہ کے مسافر نوافل میں بھی پابندی

کرتے ہیں۔ البتہ پابندی ایسی ہونی چاہیے جس سے شریعت کی کوئی حد نہ ٹوٹے اور ایسی پابندی جائز نہیں ہے کہ نوافل کو فرائض کا درجہ دے دیا جائے اور فرائض کو ترک کر دیا جائے۔ وہ شخص غلط کار ہے جو فرض نماز تو پڑھتا نہیں لیکن تہجد کی پابندی کرتا ہے، وہ شخص بھی غلط ہے جو نماز سرے سے ادا ہی نہیں کرتا اور سارا دن تسبیح ہاتھ میں لیے اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ سارا دن اللہ اللہ کرنا اس کے لیے مفید ہے جو فرض نماز بھی پڑھتا ہے۔

مجھے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھانا ہے کہ جو ذکر کا ایک معمول بن جائے اس کو وقت کے ساتھ باقاعدگی سے ادا کیا جائے۔ دور منزل تک وہی لوگ پہنچتے ہیں جو روزانہ سفر کرتے ہیں۔ خرگوش اور کچھوے کی کہانی بچپن میں پڑھی تھی، اس کہانی میں تمثیل کے انداز میں دو انسانوں کے مزاج کا ذکر ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو روزانہ ایک معمول کا سفر کرتا ہے اور دوسرا وہ جو چند دن تو خوب سفر کرتا ہے اور پھر چند دن آرام اور استراحت سے گزارتا ہے۔ ذکر کے سلسلے میں بھی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ چند دن تو خوب تسبیح پھیری پھر کئی سال اللہ کا نام بھی نہ لیا۔

کثرت ذکر اور دائم ذکر کا تقاضا ہے کہ پوری استقامت اور دل جمعی سے ساری عمر ایک حد کے اندر ذکر کیا جائے۔ دنیاوی مشاغل، روزگار، سیاسی امور اور خاندانی امور کو ایک توازن کے ساتھ چلایا جائے۔ ذکر بھی اس کا کامیاب ہے جو توازن زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ بے ترتیبی زندگی کا نظم و نسق خراب کر دیتی ہے۔ کمی یا زیادتی کرنے کے لیے بھی ضوابط موجود ہیں۔ بے ترتیب ذکر وقتی طور پر تو مفید ہو سکتا ہے لیکن آخرت میں اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ مرتے دم تک ثابت قدم رہنا ہی اصل اسلام ہے۔

میاں محمد کا مشہور شعر ہے (بزبان پنجابی)

ونوں ون سوانیاں نیں تے بھرن گھڑے

بھریا اس دا جانیئے جس دا توڑ چڑھے۔

مصروف انسان اگر دن میں گیارہ دفعہ باقاعدگی سے درود شریف پڑھے تو ان شاء اللہ اسے حُبّ رسول ﷺ کی منزل مل جائے گی۔ لیکن اگر بے قاعدگی سے لاکھوں دفعہ پڑھے تو اس کے محروم رہ جانے کے امکانات موجود ہیں۔

راز داری

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

اے نبی ﷺ! اپنے ربّ کو صبح وشام یاد کیا کرو۔ دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ (۲۰۵۔الاعراف۔۷)

ذکر کو خفیہ رکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ آقا اور بندے کا راز ہے۔ خفیہ ذکر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تعلق باللہ میں مضبوطی آتی ہے اور ریاء الناس سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ راز داری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اگر اللہ کوئی نعمت عطا کرے، کوئی اچھا خواب آئے یا انوار و تجلیات نظر آئیں تو اسے راز سمجھ کر چھپانا چاہیے۔ اگر کسی کو خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہو تو اسے بھی چھپانا چاہیے۔ اگر اس دیدار کو راز رکھا جائے تو دوبارہ بھی زیارت ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس زیارت کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جائے تو پھر دوبارہ زیارت نہیں ہوتی۔

یہی حال دیگر اکتشافات کا ہے۔ ذکر اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی عنایت الٰہی کا راز میں رہنا خود ذاکر کے لیے نفع بخش ہے۔ راز داری کی وجہ سے حکم ہے کہ فرائض اعلانیہ ادا کرو اور نوافل، صدقات نافلہ چھپا کر کرو۔ رات کو پڑھی جانی والی تہجد کا بھی زیادہ ثواب اسی لیے ہے کہ یہ بھی رات کا ایک راز ہوتا ہے۔ جب تک تہجد پڑھنے والا شخص جو اپنے احباب کو نہ بتائے کہ وہ تہجد گزار ہے عوام کو اس کی تہجد معلوم نہیں ہو سکتی۔ بس بندے اور اللہ کا تعلق، ذکر، اکتشافات سب راز ہیں۔ ان کو خفیہ ہی رہنا چاہیے۔

مشورہ

اہل علم وتقویٰ صاحب ذِکر کے مشورے اور رہنمائی میں ذکر کرنا چاہیے۔ یہ ایک اصولی

چیز ہے۔بغیر مشورے کے جولوگ اپنی صواب دید سے ذکر کرتے ہیں وہ بہت سے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔جن لوگوں نے اساتذہ سے سبقاً ذکر سیکھا ہوتا ہے اس میں ان اساتذہ کا تجربہ بھی ہوتا ہے اوران کا اپنا تجربہ بھی شامل ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کی رہنمائی اور مشورہ بہت سی سہولتوں کا باعث بنتا ہے۔بہت سی کوتاہیوں غلطیوں اور پریشانیوں سے انسان بچ جاتا ہے۔دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر سائنس دانوں نے بے پناہ ترقی کرلی ہے تو اہل ذکر کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر ایک ذاکر بھی جلدی اہم نتائج حاصل کرسکتا ہے۔ذکر کے معمولات کے دوران بہت سے نئے سوال پیدا ہوجاتے ہیں۔کئی غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں۔مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔کبھی بسط کی کیفیت ہوتی ہے اور کبھی قبض کی، کبھی سہو ہوجاتا ہے اور کبھی سُکر۔انسان کی بدلتی ہوئی طبعیتوں کی وسعت کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو مشورہ کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔ابتدائے سفر میں مشورہ ضروری ہے۔دورانِ سفر مشورہ لازم ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد بھی استقامت کے لیے مشورہ ضروری ہے۔کسی مرحلے میں بھی انسان اپنے سے زیادہ علم وتقویٰ والے اہل ذکر کی مشاورت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ناتجربہ کاری کی وجہ سے جو دقتیں پیش آتی ہیں ان سے بچنے کے لیے مشورہ ضروری ہے۔مشورہ کرتے وقت شخصیت کے انتخاب کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ایسے شخص سے مشورہ کیا جائے جس کا تجربہ حق کی نگاہ میں صحیح ہو۔جاہل اور نااہل لوگوں سے جو بس ایک رسم ذکر کے دھنی ہوتے ہیں مشورہ کرنا بے کار ہے۔مشورہ دینے والے کا اخلاص اور بے لوثی معلوم ہونی چاہیے۔تجربہ، اخلاص، تقویٰ، احسان سب ذکر کے ساتھ مل کر ایک شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں اس لیے قابل اعتماد شخص سے مشورہ کرنا چاہیے۔

ظرف

اہل ذکر کا ظرف بڑا ہونا چاہیے۔کمینگی، غصہ، بے صبری، عدم تحمل، اضطراب وغیرہ سے ذکر کا بہت نقصان ہوتا ہے، کوئی کام توجہ سے نہیں ہوسکتا۔اگر معرفت حق ہو اور اللہ تعالیٰ اپنا کوئی راز بتائے تو انسان کا ظرف اتنا تو ضرور بلند ہونا چاہیے کہ وہ راز داری کرسکے۔غصہ میں آ کر

کسی کو بد دعا نہیں دینی چاہیے۔ کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اہل ذکر کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پورے کر دیتا ہے۔ ایک عورت کی اپنے بیٹے سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی۔ دورانِ چپقلش ماں نے کہا کہ اللہ کرے کہ تو مر جائے یا میں مر جاؤں۔ اس فقرے کی ادائیگی کے دو دن بعد وہ عورت مر گئی۔ نواب بی بی ایک غریب عورت تھی میرے پاس اعانت حاصل کرنے آ جایا کرتی تھی۔ ایک دن میرے پاس آئی اور مجھے کہا کہ آپ دعا کریں کہ میرا لڑکا فوت ہو جائے، میں نے اسے سمجھایا کہ ایسی دعا ماں کو نہیں کرنی چاہیے۔ وہ اپنے بیٹے سے تنگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے کر دیئے اور اس کا بیٹا اگلے دن فوت ہو گیا۔ میں ان دو واقعات کا عینی شاہد ہوں۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اہل ذکر کو کسی بھی شخص کے لیے بد دعا نہیں مانگنی چاہیے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اہل ذکر کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو اللہ پورا کر دیتا ہے، اگر انسان کسی ظالم سے تنگ ہو تو بھی اسے اس کی ہدایت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ ۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ ایک جاہل قوم ہے۔

اب اگر ظالم مکہ والوں کے لیے نبی ﷺ اچھی دعا کر رہے ہیں تو ہمیں بھی لوگوں کے لیے بد دعا نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے اگر کوئی شخص گالی بھی دے تو بھی ذاکر کو اشتعال میں نہیں آنا چاہیے۔ خشک مزاجی بعض اہل ذکر میں موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کم ظرف بن جاتا ہے۔ اس لیے خشکی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے جس کے سرزد ہونے سے نقصان ہوتا ہو۔ تحمل، بردباری، توکل، صبر، احسان، مروت، خیرات کو شعار بنانا چاہیے۔ اپنے ظرف کو ہر حال میں بڑا کشادہ رکھنا چاہیے۔

صحت

انسان کی صحت اچھی ہو تو وہ بہادری سے لڑ سکتا ہے، جہاد کر سکتا ہے، بہتر انداز میں تبلیغ و اشاعت کر سکتا ہے، کثرت ذکر اور دائم ذکر کے لوازمات بھی پورے کر سکتا ہے۔ اس لیے

شریعت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی صحت کا خیال رکھے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرے۔ کھانے پینے، گرمی سردی اور کام و آرام کا خاص طور پر خیال رکھے۔ حفظانِ صحت کے لیے خرچ ہونے والا وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ ایک مفید کام پر لگتا ہے۔

خدانخواستہ اگر بیماری آجائے تو معمولاتِ ذکر کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر مسجد میں نہیں جا سکتا تو گھر ہی میں پڑھ لے۔ صحت جتنی خراب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی ہی رعایت مل جاتی ہے۔ بیماری کے باوجود تسلسل، کثرت، دوام اور استقامتِ ذکر میں فرق یا کمی نہیں آنی چاہیے۔ بیماری کی شدت کے دنوں میں ذکر کی تعداد کو کم کر دینا چاہیے۔ عقل مند وہ ہے جو پہلے دن ہی سے اپنے معمولات کی مقدار کم رکھے تاکہ اسے نبھانا آسان ہو۔ بعض اوقات امراض کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ انسان اپنے معمولات پورے ہی نہیں کر سکتا، ایسی حالت میں معذوری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بیماری کے عذر کو قبول کر کے معاف فرمائے گا۔ بعض اوقات امراض کا تعلق دماغ یا زبان سے نہیں ہوتا بلکہ جسم کے دوسرے اعضا سے ہوتا ہے، ایسی حالت میں انسان اپنے سارے معمولات آسانی سے پورے کر سکتا ہے۔ لیکن درد کی شدت یا دماغ اور زبان کی امراض کی صورت میں ذکر کے معمولات کو نبھانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جہاں عذر موجود ہے وہاں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی مل جانے کا امکان رہتا ہے۔ لیکن بیماری کے بہانے ذکر کے ناغے کرنا بھی ایک غلطی ہے۔ اصل چیز جو خدا کی نگاہ میں قبولیت حاصل کرنے والی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان ہزاروں عذرات کے باوجود ذکر میں مصروف رہے۔ جتنی انسان کے اندر اللہ کی محبت رچ بس چکی ہوگی اسی نسبت سے اس میں ذوق و شوق اور کثرتِ ذکر پیدا ہوگی۔ بیماری کا عذر ذاکر کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔ جن کا سانس اور دل صحت کے دنوں میں ذکر کرتے ہیں، ان کے سانس اور دل بے ہوشی میں اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔

طہارت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کو نصف ایمان کا درجہ دیا ہے۔ اس لیے طہارت کی حالت ہی

میں ذکر کرنا چاہیے۔ ناپاکی کی حالت میں ذکر کرنا منع ہے۔اس لیے اہل ذکر ہر وقت پاک صاف رہتے ہیں۔ جب انسان کسی قسم کی بھی ناپاکی میں ہو اسے فوراً پاکی حاصل کر لینی چاہیے۔ اگر نہانا فرض ہو جائے تو جلد از جلد نہا کر ذکر کے تسلسل کو قائم کر لینا چاہیے۔ اگر حالات ایسے ہوں کہ غسل نہ ہو سکتا ہو تو وضو کر لے، اگر وضو کی بھی گنجائش نہ ہو تو تیمّم کر لے۔ زیرناف بالوں کو کم از کم پندرہ دن کے بعد ضرور صاف کر لینا چاہیے۔ پیشاب، پاخانے سے فارغ ہو کر استنجا، طہارت ضرور کرنی چاہیے۔ جتنی جلدی انسان پاک ہو جائے ذکر کے لیے مفید ہے۔ نماز ہو یا نفل ذکر ہر دو کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ ناپاک خیالات سے دماغ کو بھی پاک کرنا چاہیے۔ اگر دوران سفر دائم ذکر کے دوران راستے میں گندگی کا ڈھیر آ جائے تو چند لمحات کے لیے اس ڈھیر سے گزرتے وقت وقفہ کر لینا چاہیے۔ اور گندگی کی حدود سے گزر کر پھر نئے سرے سے ذکر جاری کر دے۔ طہارت پانی اور مٹی دونوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ وضو ایک بہت ہی مفید اور عمدہ طریقہ ہے جو نماز اور قرآن کی تلاوت کیلیے فرض کیا گیا ہے۔ لیکن نماز کے علاوہ دیگر نفلی اذکار میں وضو لازمی نہیں ہے۔ سنت رسول ﷺ سمجھ کر اگر ہر وقت وضو کی حالت میں رہیں تو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بعض اہل ذکر تو سارا دن باوضو رہتے ہیں۔ ذکر کے لیے وضو شرائط میں شامل نہیں، لیکن باوضو ذکر کرنے سے انسان کو بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ دوران ذکر اگر وضو ٹوٹ جائے تو پھر نئے سرے سے کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر آسانی سے کر سکے تو مفید رہے گا۔ یہ بات تو واضح ہے کہ باوضو ذکر بے وضو ذکر سے بہتر ہے۔ کیونکہ باوضو ذکر کرنے سے ذکر کا ثواب الگ ملے گا اور وضو کا ثواب الگ ملے گا۔ اس لیے باوضو ذکر کرنا دوہرے ثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ذکر کے لوازمات

مجھ سے بہت سے لوگ ذکر کی اجازت مانگتے ہیں، کئی ایک تو اصرار کے ساتھ ذکر سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگ دل میں یہ تمنا لیے آتے ہیں کہ ہم ذکر کریں گے اور بڑی جلدی ولی اللہ بن جائیں گے، اس طرح دنیا میں عزت کا مقام، شہرت اور پیسے ملیں گے اور آخرت میں جنت بھی مل جائے گی۔ ولی اللہ بننے کی تمنا لیے لوگ ذکر کرتے ہیں اور ۳۰/۴۰ سال کے ذکر کے باوجود کوئی نورانی جلوہ نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگ ذکر چھوڑ کر مایوس اور ذہنی مریض بن جاتے ہیں۔

اصل میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان صرف ذکر کرنے ہی سے ولی اللہ بن جاتا ہے۔ حالانکہ ذکر کے بھی کچھ لوازمات ہیں جن کی ادائیگی ذکر کے ساتھ ساتھ ضروری ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پر غور فرمائیں۔ ایک شخص بازار سے گوشت خرید کر لاتا ہے۔ اسے بغیر پکائے اسی طرح فریزر میں رکھ دیتا ہے۔ دو دن کے بعد اس کے گھر مہمان آجاتے ہیں۔ اب یہ کچا گوشت مہمانوں کے آگے رکھ دیتا ہے تو کیا مہمان کچا گوشت کھا لیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ لوگ کچا گوشت نہیں کھاتے بلکہ گوشت جب لذیذ کھانے کی شکل میں سالن بن کر آئے تو پھر مہمان اسے خوش ہو کر کھاتے ہیں۔ اب گوشت کے سالن بننے کے لیے کئی لوازمات ہیں: مثلاً باورچی، آگ، چولہا، دیگچی، چمچ، مرچ، نمک، پیاز، لہسن، دھنیا، پانی، گھی وغیرہ۔ جب گوشت باورچی کے ہاتھوں ایک خاص عمل سے گزرے اور اس کے سالن بنانے والے لوازمات بھی پورے کر دیئے جائیں تو پھر سالن کی شکل میں مہمانوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے۔ صرف زبان سے اللہ اللہ کرنے سے انسان اللہ کی محبت حاصل نہیں کر پاتا۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس نے ہر شعبہ زندگی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اگر اسلام کے صرف ایک جزو کو لے لیا جائے اور باقی اسلام کو چھوڑ دیا جائے تو نتائج کے اعتبار سے ایک بے کار کام ہے۔ پتوں کی زندگی کے لیے شاخ، تنا اور جڑ کی صحت اور ربط کا ٹھیک ہونا ضروری ہے۔ درخت سے کٹا ہوا پتا سوکھ جاتا ہے۔ لوازمات کے بغیر ذکر کرنے والے کی مثال ایک کٹے ہوئے پتے

کیھیے۔ ذکرایک اچھا عمل ہے۔ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے لیکن یہ ذکر اس وقت مفید ہوگا جب وہ دین کے دیگر اجزا کے ساتھ مل کر چلے گا۔ بزرگوں نے تصوف کو احسان قرار دیا ہے، اس لیے اگر دل میں اللہ کا دوست بننے کی تمنا موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونا چاہیے۔ بعض اوقات ایک ذکر کرنے والے سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے حالانکہ وہ پورا تو کجا ۱/۴ حصہ اسلام پر بھی عمل نہیں کرتا۔ کئی نیک لوگ دیکھے جو دل کی بات بتا دیتے ہیں، حالانکہ وہ نماز نہیں پڑھتے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۱۲۰۔توبہ۔۹)

اس لیے وہ کسی کی محنت کو قبول کر کے اس کی زبان میں کچھ تبدیلی پیدا کر دیتا ہے لیکن اللہ کا یہ فضل صرف اس دنیا کے لیے ہے۔ ان کرامات کا اللہ سے دوستی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اوراد و وظائف کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ ایک شخص ایک مرض کا دم کرتا ہے، لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے حالانکہ وہ شخص نماز نہیں پڑھتا۔ یہ دم، تعویذ، گنڈے ایک علم کا حصہ ہیں۔ جس طرح سائنس ایک علم ہے، جس طرح موٹر سائیکل بنانا ایک علم ہے اسی طرح مختلف مرضوں کا بذریعہ روحانیت اور بذریعہ دم، پھونک اور تعویذ علاج کرنا بھی ایک علم، ایک فن ہے۔ اس فن میں محنت کرنے والے لوگوں کی زبان میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس تاثیر کا اسلام اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح کار کا ڈرائیور مسلمان بھی ہوسکتا ہے، ہندو اور عیسائی بھی ہوسکتا ہے اسی طرح ہر دم پھونک اور جھاڑنے والا شخص غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے۔ وہ شخص ایک فن کو جانتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے امراض کا روحانی علاج کیا جاتا ہے۔ یہ مختلف قسم کے دم، یہ مختلف قسم کی متاثر کرنے والی کرامات سب خدا کے حکم سے صادر ہوتی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے کسی کی محنت قبول کر کے اس کی زبان میں کچھ اثر رکھ دیا۔ نہ تو یہ ولایت ہے اور نہ ہی شریعت کے لوازمات میں سے ہے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ صرف ذکر سے اللہ کی دوستی حاصل نہیں ہو جاتی، اس کے لیے کچھ اضافی اقدامات کرنے بھی لازم ہیں اور وہ یہ ہیں:

رہنمائی

ہدایت اللہ کی عطا ہے اوران کوملتی ہے جواس کے طلب گار ہوتے ہیں اس لیے اللہ کی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے بار بار دعا کرنی چاہیے کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔
(۵۔الفاتحہ۔۱)

چنانچہ ذکراوراس کے لوازمات کے علم کا ادراک ہوجانا بھی ہدایت اور رہنمائی کا حصہ ہے۔ ذکرشروع کرنے سے پہلے کسی اہل ذکر سے سبق لینا چاہئے۔ استادوں کی نگرانی میں ذکر کرنے سے انسان بہت سے نقصانات سے بچ جاتا ہے۔ بہت سی غلطیاں اورکوتاہیاں سرزد نہیں ہوتیں۔ البتہ استاد پکڑتے وقت احتیاط ضروری ہے کہ اچھی طرح پرکھ لیا جائے کہ جسے ہم اپنا رہنما بنارہے ہیں کل کوہمیں گمراہ ہی نہ کردے۔ آج کل اللہ کا نام لے کرگمراہ کرنے والے ہدایت فراہم کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ ذاکرکواگر صحیح رہنمائی نہ ملے تو وہ اپنے ذہن سے باتیں گھڑ لیتا ہے اورشریعت کے خلاف کام کرجاتا ہے۔ لوگ کتابوں میں اذکار کے فوائد پڑھتے ہیں اور ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ لیکن جب کتاب میں مذکورفوائد حاصل نہیں ہوتے تو پھر ذکرکرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ کسی نیک آدمی کی صحبت حاصل کرنی چاہیے اوراس سے ذکرکی اجازت اور رہنمائی لینی چاہیے۔ اچھے استاداز خود ہی اپنے شاگردوں کو ذکر کی تلقین کرنا شروع کردیتے ہیں۔ جہاں بچوں کونماز سکھائی جاتی ہے، وہیں انہیں کچھ دعائیں یاد کروادی جاتی ہیں۔ کلمہ، درود شریف اور آسان ذکرماں بھی اپنے بچے کوسکھا دیتی ہے۔ جولوگ دائم ذکرکرنا چاہتے ہیں ان کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ کسی اہل ذکر سے سیکھیں۔ ذکر کے آداب اورلوازمات سیکھنے کے لیے اپنے استاد، مرشد، مربی، ہادی، لیڈر سے پوچھ لیں اوران اصول و ضوابط کی پابندی کریں جو یہ استاد بتائیں۔ استاداورشاگرد، مرشداورمرید کا یہ تعلق بہت پرانا ہے۔ تعلیم کے ساتھ تربیت ایک لازمی امر ہے۔ جب تک استاد شاگرد کوکر کے نہ دکھائے اسے پوری سمجھ نہیں آتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے نبی ﷺ کونماز کا حکم دیا تو جبریل علیہ السلام کو

بھیجا کہ وہ جا کر نبی ﷺ کی امامت کروائیں اوران کونماز پڑھنے کا طریقہ سکھائیں۔ جب نبی ﷺ جیسی عظیم ہستی اپنی رہنمائی کے لیے اللہ کی محتاج ہے اور جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں نماز پڑھنا سیکھ رہی ہے تو ہم جاہل لوگ کس شمار میں ہیں۔ ہم تو کمزور لوگ زیادہ محتاج ہیں کہ ہمیں رہنمائی دی جائے، ہماری تربیت کی جائے، ہمیں ذکر کرنا سکھایا جائے۔ آج کے دور میں بھی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ پی ایچ ڈی طالب علم کی ضرورت ہے کہ اس کا پروفیسر اس کی رہنمائی کرے۔ استادوں سے ذکر سیکھنے والے اور ازخود کتابوں سے پڑھ کر ذکر کرنے والے میں بہت فرق ہے، ان کے طریق کار میں فرق ہوتا ہے، ان کے نتائج میں فرق ہوتا ہے۔ ایک استاد ایک ذکر خود کرتا ہے، وہ اپنے متوسلین کو وہ ذکر سکھاتا ہے تو اس کا اثر اور فوائد جلدی ظاہر ہوں گے۔ ایک ذکر کے الفاظ ایسے ہیں کہ استاد خود وہ ذکر نہیں کرتا لیکن آگے اپنے شاگردوں کو وہ ذکر سکھاتا ہے۔ ایسے ذکر کے اثرات اور فوائد دیر سے ظاہر ہوں گے اور ممکن ہے کہ اتنی دیر ہو جائے کہ ذکر کرنے والا ہی مایوس ہو کر ذکر سے دستبردار ہو جائے۔ جو شخص خود باعمل ہے اس کی زبان میں بہت تاثیر ہوتی ہے اور بے عمل واعظ کا کلام بس ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ ذکر کے معاملے میں استاد، مرشد یا مربی کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے تجربہ کار لوگوں کے تجربات سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ صرف ذکر ہی نہیں دیگر دنیاوی معاملات میں بھی تجربہ کار لوگوں کی مصاحبت میں بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اہل علم وتقویٰ کی مصاحبت ایک ضروری امر ہے۔ علم تجربہ کار لوگوں کے ذریعے ہی پھیلا ہے۔ اس لیے ہدایت کے طالبان کو اچھے ہادی تلاش کر کے ان کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

اصلاح عقیدہ

عقیدہ کی اصلاح ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ایمان کی پانچ بنیادیں ہیں۔

۱۔ توحید

۲۔ رسالت

۳۔ آخرت

۴۔ کتابیں

۵۔ فرشتے

ان پانچ عقائد میں مرکزی یقین یہ ہے کہ یہ سب سچے ہیں۔قرآن نے بڑی تفصیل سے عقیدے پر بحث کی ہے اور ہم نے بھی ''دعوت دین کا کام کیسے کریں'' کتاب میں ان عقائد پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ ذکر کے حوالے سے عقیدۂ توحید کا راسخ ہونا ضروری ہے۔ اللہ کو حاکم، آقا، ربّ اور بادشاہ مان کر اس کی محبت میں غرق ہو کر اور اس کے محاسبے سے ڈر کر یاد کیا جائے تو زبان اور دل سے نکلنے والا ایک ایک حرف روح کو پاکیزہ کر دیتا ہے۔ روح اس طرح صاف ہو جاتی ہے جس طرح برتن مانجھنے سے صاف ہوتا ہے۔ اکیلا عقیدۂ توحید ہی صحیح کر لیا جائے تو ذکر کے فوائد کی کثرت حاصل ہو جاتی ہے۔

عقیدۂ رسالت کے بغیر درود شریف فائدہ نہیں دیتا۔ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے نمائندے رسول اور نائب ہیں۔ ان کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں ذکر کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ کی محبت میں کیا جانے والا ذکر زیادہ فائدہ دے گا۔ آخرت کے بارے میں اپنی نیت کو ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ انسان جو بھی ذکر کرے اس کا نتیجہ آخرت میں حاصل کرنے کی فکر کرے۔ دنیاوی نتائج نیت کا حصہ نہیں ہونا چاہئیں۔ ہر وقت نگاہوں میں جنت اور دوزخ کا تصور راسخ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص ایمان اور محاسبہ آخرت کے ذہن سے ذکر کرے گا تو ان شاء اللہ اسے اس کی کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ اسی دنیا میں دکھا دے گا۔ جب غائبانہ عقیدہ اور مشاہدہ دونوں مل جائیں تو پھر انسان کے ایمان میں حق الیقین اور عین الیقین کے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے ذکر اسلام کی ترقی کا باعث بن جاتا ہے۔ قرآن میں دیئے گئے اذکار سے فائدہ اُٹھانا اور خود قرآن کی تلاوت کرنا بہت مفید ہے۔ میں بار بار اس بات کی تاکید کر رہا ہوں کہ جب بھی قرآن پڑھیں، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے پڑھیں اور اپنے عقیدے کو پختہ کریں کہ یہ اللہ کا حکم ہے جو ہماری طرف عمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اللہ کی صفات، اختیارات اور حقوق کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیے۔ لوگ اللہ کے وجود کو تو تسلیم کرتے ہیں

مگر صفات واختیارات اور حقوق میں ڈنڈی مار جاتے ہیں، اس طرح کہ مخلوق کو بھی وہ اختیارات دے دیتے ہیں جو اللہ کے لیے خاص ہیں۔ جس طرح لوگوں نے دنیا کو کئی خانوں میں بانٹ رکھا ہے اس طرح عقیدے کے بھی کئی شعبے بنا دیئے ہیں۔ عقیدے کی صحت کے بغیر ذکر کے ذریعے اللہ کا دوست بننا ناممکن ہے۔ جب انسان یک سوئی اور اخلاص سے اللہ کو اپنا ربّ، نبی ﷺ کو اللہ کا رسول، قرآن کو ہدایت کی کتاب، فرشتوں کو اپنا ساتھی اور آخرت کی جواب دہی کو مطمحِ نظر بنا لیتا ہے تو ایک دفعہ لفظ اللہ کہنے سے سارا جسم ہل جاتا ہے۔ پھر اللہ اللہ طوطے کی رٹ نہیں رہتی بلکہ انقلاب آفرین کلمہ بن جاتا ہے۔ ایک انسان ہی نہیں بدلتا بلکہ معاشرہ تبدیل ہوتا ہے۔ جب افضل ذکر عقیدۂ توحید کی روشنی میں دل سے اُٹھے گا تو پھر روح بالکل شیشے کی طرح صاف ہو جائے گی اور سلوک کی منازل میں سالوں کا سفر گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہوگا۔ واضح ہو کہ ہر اصلاح کی بنیاد ایک فلسفہ ہوتا ہے۔ ذکر میں اصلاح کرنے اور ترقی کرنے کے لیے ایمان اور عقیدہ توحید، رسالت، آخرت مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔

حصولِ علم

علم کے بغیر نہ عقیدہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور نہ ہی عمل صحیح ہو سکتا ہے۔ کم از کم اتنا علم تو ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ مسلمان کو اللہ کی رضا اور ناراضی کا پتہ چل جائے۔ حلال اور حرام کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ کون سا کام کرنا ہے اور کس کام سے رک جانا ہے، فرض، سنت، نوافل کی حد تک معلومات کا ہونا لازمی ہے۔ فساد اس وقت برپا ہوتا ہے کہ جب لوگ فرض کو غیر ضروری سمجھ لیتے ہیں اور نوافل کو ضروری اور لازمی قرار دے لیتے ہیں۔ اس لیے اللہ کے حکم کو اس کی تفصیل کے ساتھ جاننا ضروری ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے اگر انسان پڑھنا لکھنا جانتا ہو تو آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ طالب علم کتاب پڑھ سکتا ہے کسی علمی مجلس میں شامل ہو کر علم حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان پڑھا لکھا نہ بھی ہو تو بھی علم حاصل کر سکتا ہے۔ کسی اہل علم سے سوال کر کے مسئلہ پوچھ سکتا ہے۔ کسی درس قرآن، وعظ کی مجلس یا اہل علم کی صحبت میں رہ کر بھی بہت سا

علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ پڑھے لکھے شخص کو تو پڑھنے کی آسانی ہوتی ہے اور اَن پڑھ شخص کی یادداشت اچھی ہوتی ہے۔ اس طرح بعض اَن پڑھ لوگ جو علم کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں بعض مسائل میں پڑھے لکھے لوگوں سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

تصوف اور ذکر اذکار کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی ایجادات کر لی ہیں۔ بہت سی باتیں ہندو جوگیوں، بدھ بھکشوؤں اور عیسائی راہبوں سے لے کر انہیں اپنے مشاغل میں داخل کر لیا ہے۔ اس لیے ذکر کے پہلو سے یہ بہت ضروری ہے کہ اہل ذکر کے پاس کتاب اور سنت کا علم ہو۔ اذکار مسنونہ کی ادائیگی دنیا اور آخرت دونوں میں مفید ہے۔ خودساختہ اذکار یا غیر مسلموں سے لیے ہوئے اذکار نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جادو، عملیات اور بہت سی غیر اسلامی رسموں کا رواج ہے۔ جنہیں لوگ پیر اور بزرگ سمجھ کر اظہار عقیدت کرتے ہیں ان کی اکثریت جادوگر اور عامل ہوتی ہے۔ اس لیے عام لوگوں کا جادۂ حق سے گمراہ ہو جانا آسان ہے۔ صحیح علم لازم وملزوم ہے۔ سلطان باہوؒ کا یہ مصرعہ مشعل راہ ہے۔

علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہُو

بزرگان دینؒ اور اکابر صوفیاؒ نے تیس تیس سال علم حاصل کیا اور پھر مرشدوں کی خدمت میں بیٹھ کر روحانی ترقی کی۔

عملِ صالح

صحیح العقیدہ ذاکر قرآن اور سنت سے ہدایت پا کر جب صحیح علم حاصل کرتا ہے تو پھر اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ جو حق وہ جانتا ہے اس پر عمل بھی کرے۔ وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے بے کار ہے۔ ایمان کے بعد عمل صالح کی بڑی اہمیت ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾ (۲۵۔الانشقاق۔۸۴)

البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝٢ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝٣	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ (۲۔۳۔الصّف۔۶۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو فرمایا کہ ''تم لوگ مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تم کو جنت کی ضمانت دوں'' لوگوں کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ وَالزَّکٰوۃُ وَالْاَمَانَۃُ وَالْفَرْجُ وَالْبَطْنُ وَاللِّسَانُ (ترغیب بحوالہ طبرانی)	نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، امانت میں خیانت نہ کرنا، شرمگاہ، پیٹ اور زبان کی نگرانی کرنا۔

خدا کا دوست وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے۔ خواہ دل کی خوشی سے کرے یا ناپسندیدگی سے، خواہ نفع ہو یا نقصان، حکم حکم ہی ہے۔ اللہ کی بے لوث اطاعت ضروری ہے۔ تصوف کی چار منزلوں میں پہلی منزل ہی شریعت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صوفی پہلے شریعت کا علم حاصل کرے اور پھر اس پر عمل کرے۔ جب شریعت کی منزل پوری ہو تو پھر آگے طریقت اور حقیقت کی منازل ملتی ہیں۔ جب شریعت کی پہلی گھاٹی پر ہی سے انسان پھسل کر گر جائے تو آگے سفر کیا کرے گا۔ اصل میں حقیقت اور معرفت بھی شریعت پر عمل کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ جب عرفانِ حق حاصل ہو اور کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی اطاعت میں مصروف نظر آئے تو پھر لامحالہ عارف بھی اطاعتِ امر میں یکتا ہو جاتا ہے۔ شریعت میں مہارتِ تامہ عرفان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔ ذکر بھی آخرت میں انہیں نفع دے گا جن کی باقی زندگی امرِ حق کے تابع ہو۔ اگر نیکیوں اور برائیوں کا معجون تیار ہو جائے تو آخرت کے حساب میں برائیوں کے بھاری ہو جانے کا امکان ہے۔ عملی زندگی کے مختلف شعبے ہیں۔ مکمل دین کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر شعبہ پر کم و بیش عمل کرے۔ لیکن یہ اپنی اپنی صلاحیت و کردار ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مخصوص شعبوں میں ترقی کر جاتے ہیں۔ جس طرح سائنس دان مختلف علوم میں تخصیص کر لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی

مختلف شعبوں میں تخصیص کر لیتے ہیں۔ تخصیص کرتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ باقی امور کو چھوڑا نہیں جا سکتا، تمام احکامات الٰہی پر عمل کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگ ذکر میں کثرت کی وجہ سے ذاکرین کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بعض روزوں کی کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن بابِ ریّان کے ذریعے جنت میں داخل ہوں گے۔ بعض جہاد میں ترقی کر کے خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ کئی ایک سیاسی امور میں تخصیص کے ذریعے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جنت میں ساتھی ہوں گے۔

آج کی مجلس چونکہ ذکر کے موضوع پر ہے اس لیے جو ذکر میں ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کے سامنے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور رہنا چاہیے۔ جو سنت کے قریب ہو گا وہ یوم قیامت شفاعت کے بھی قریب ہو گا۔ اب یہ اپنا اپنا ظرف ہے کہ کون کتنا عمل کرتا ہے۔

تزکیہ

تزکیہ زکوٰۃ سے ہے۔ اس کے معانی ہیں پاک کرنا، بڑھوتری، نشوونما دینا۔ خیالات، عقائد، احساسات، جذبات، جسم، لباس ہر وہ چیز جس کا تعلق انسان کے جسم اور روح سے ہے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ نیکیوں کی افزائش اور برائیوں کی بیخ کنی بھی ایک ضروری امر ہے۔ دودھ ڈالنے کے لیے پاک اور صاف برتن ضروری ہے۔ گندے برتن میں دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس قلب میں انوار و تجلیات الٰہی نے نازل ہونا ہے تو اس کو ہر قسم کی آلائشوں، شرک، بدعت، اخلاقی خرابیوں اور بری خواہشات سے پاک کرنا ضروری ہے۔ تزکیہ کا عنوان تفصیل طلب ہے۔ اس پر ہم نے اپنی کتاب ''تزکیہ'' میں تعلیم و تربیت کے مختلف پہلو بیان کیے ہیں۔ امید ہے کہ رفقا اسے مفید پائیں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾

پس وہ کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اس کے نام کو یاد کیا، پس نماز پڑھی۔

(۱۴-۱۵-الاعلیٰ-۸۷)

تقویٰ

ارشادِ خداوندی ہے:

خُذُوا مَا آتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

(۱۷۱۔الاعراف۔۷)

جو کتاب تمہیں دی جا رہی ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اسے یاد رکھو۔ توقع ہے کہ تم غلط روی سے بچے رہو گے۔

تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا، خوف کھانا، خدا کی نافرمانی سے پرہیز کرنا، بچنا۔ تقویٰ اور ذکر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ذکر کے بغیر تقویٰ صحیح نتائج نہیں دیتا اور تقویٰ کے بغیر ذکر سے بھی صحیح نتائج نہیں نکلتے۔ جس طرح دائم ذکر کا حکم ہے اسی طرح ہر وقت خدا سے ڈرتے رہنے ہی میں فائدہ ہے۔ تقویٰ ساری عمر کا عمل ہے اور چند ساعتوں کی غفلت بہت نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مضمون ''دعوت دین کا کام کیسے کریں'') تقویٰ بذاتِ خود کوئی ظاہری شکل کی عبادت نہیں جس طرح کہ نماز ہے بلکہ یہ ایک کیفیت کا نام ہے جو انسان کے قلب پر وارد ہوتی ہے اور اس کے اثر سے انسان کے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔ خدا سے ڈر کر ذکر کرنے والے جلد مقبولِ بارگاہ ہو جاتے ہیں۔

احسان

احسان حسن سے ہے۔ حسن کے معانی ہیں خوبصورتی۔ محسن اس شخص کو کہتے ہیں جو اچھا اور خوبصورت عمل کرے۔ نیکی کو حسنہ اور بھلائی کو محسنات کہتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

(۵۶۔الاعراف۔۷)

اور اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔

تقویٰ کی طرح احسان بھی ذکر کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ کوئی کام عدم دلچسپی اور مارے تارے سے کیا جائے اور کوئی کام شوق، خوبصورتی اور دلچسپی سے کیا جائے، دونوں کے نتائج اور کارکردگی میں فرق ہوتا ہے۔ ذکر ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہیے اور اس کے حسن کے پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ احسان ایک ایسی نیکی ہے جس کی اپنی ذاتی کوئی شکل نہیں جس طرح کہ نماز کی ایک ظاہری شکل ہے۔ احسان دراصل ایک کیفیت کا نام ہے جو ہر نیکی میں ایک بنیادی جذبے کی حیثیت سے شامل ہوتی ہے۔ مثلاً خشوع وخضوع اور خوبصورتی سے پڑھی جانے والی نماز زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔

توبہ واستغفار

ذکر شروع کرنے سے پہلے توبہ ضروری ہے۔ یعنی پہلے انسان غافل تھا، اب اسے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ آئندہ کے لیے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں ذکر سے غافل نہیں ہوگا۔ انسانی کمزوری ہے کہ اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے اس لیے اسے بار بار توبہ کرنی چاہیے۔

احساس ندامت کے بعد پچھلی غلطیوں کی معافی بھی لازمی ہے۔ اس کے لیے استغفار کا اصول وضع کیا گیا ہے۔ جو استغفار ہم نے معمولات میں شامل کی ہے اس کے ساتھ توبہ کا لفظ بھی شامل ہے۔ یعنی پچھلے گناہوں سے معافی اور آئندہ کے گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

ذکر کے بعد دعا اگر کرنی پڑے تو بس اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اور توبہ کر کے دعا کو مکمل کر لینا چاہیے۔ دعا کے آداب میں ان شاء اللہ کچھ تفصیلی بات ہوگی۔ اس مقام پر یہ جان لینا کافی ہے کہ توبہ و استغفار ذکر کے فوائد میں بے پناہ اضافہ کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی ذکر کا فائدہ آخرت کے علاوہ اس دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے کثرت سے استغفار پڑھنی چاہیے اور بار بار توبہ کرنی چاہیے۔ کثرت استغفار سے دین اور دنیا دونوں کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

رزق حلال

اکثر ذاکر تارک دنیا ہوتے ہیں اور فقر و فاقہ سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ ذکر وہ مفید

ہے جس کے ساتھ انسان خود رزق حلال کمائے، خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ جمعہ کی نماز ایک افضل عبادت ہے لیکن حکم الٰہی یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر کاروبار زندگی میں مصروف ہو جاؤ۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ (۱۰۔الجمعہ۔۶۲)

پھر جب نماز جمعہ پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔

گو یہ ایک مشکل کام ہے لیکن اگر مسلمان ہمت کرے تو ذکر اور رزقِ حلال کی تلاش دونوں ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔ رزقِ حلال ذکر کی ترقی کے لیے لفٹ کا کام دیتا ہے۔ سیڑھی کی نسبت لفٹ کے ذریعے انسان جلد بالائی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ کسب رزق حلال سے ذکر میں لذت اور حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص خود کما کر کھاتا ہے وہ حدیث کی رو سے اللہ کا حبیب ہے۔ اور ذکر کا محبت سے خصوصی تعلق ہے۔ رزق حلال کمانے والا اگر دن میں گیارہ دفعہ ہی درود شریف پڑھ لے یا افضل الذکر کا ورد کر لے تو اس کا سارا دن ذکر ہی میں شمار ہوگا۔ دائم ذکر اور کثرت ذکر میں آگے کچھ تفصیل آرہی ہے لیکن یہاں یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ رزق حلال کے بغیر ذکر کے فوائد کم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو قبض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور غفلت غالب آجاتی ہے۔ رزق حلال کمانے والا خدا کا فرمانبردار مسلمان ہوتا ہے اس لیے اس کا تھوڑا ذکر بھی اجر و ثواب کے پہلو سے کثیر بن جاتا ہے۔ ایک مصروف دن جس میں اللہ کی رضا کے لیے دوڑ دھوپ کی جائے اسی طرح کی عبادت گنی جاتی ہے جس طرح ذکر ایک عبادت ہے۔ بعض لوگ بطور مہمان کسی کے ہاں جاتے ہیں اور بامرِ مجبوری وہاں سے ایسا کھانا کھا لیتے ہیں جو حلال اور طیب نہیں ہوتا ہے، ایسے کھانے سے بھی ذکر میں تعطل اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات تو کئی دن ذکر کی طرف توجہ نہیں جاتی۔ رزق حرام سے طبعیت گناہوں کی طرف مائل اور خدا سے غافل ہو جاتی ہے اور ذکر میں وہ توجہ، تقویٰ اور احسان نہیں رہ جاتا جو ذکر کی افادیت کے لیے ضروری ہے۔

اس باب میں بزرگوں نے بہت تجربات کیے ہیں۔کئی ایک تو ایسے ہیں کہ ایک نوالہ کھانے کے بعد بتا دیں گے کہ یہ کھانا رزق حلال نہیں ہے۔حرام رزق سے دل پر ایک تاریک پردہ چھا جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے آنے والے انوار و تجلّیات رک جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سریع الاثر عمل ہے کہ ایک نوالہ ہی رزق کی نوعیت بتانے کے لیے کافی ہے۔

ایسی حالت میں اگر انسان معذرت کر دے تو اچھا ہے لیکن اگر مجبوری بن جائے تو چند نوالوں سے زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔کئی دفعہ بظاہر نیک آدمیوں کا رزق بھی حلال نہیں ہوتا۔اس لیے جہاں یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو کہ یہ رزق حلال ہے وہاں کھانے پینے سے پرہیز لازمی ہے۔یاد رہے کہ بھیک مانگ کر کھانا بھی رزق حرام میں شامل ہے۔

کئی پیر جو دم گنڈا کر کے گزر اوقات کرتے ہیں اور کوئی رزق نہیں کماتے ،ایسے لوگوں کی دیکھا دیکھی لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ خود کمانا ضروری نہیں، بلکہ مریدوں اور عقیدت مندوں کی نذر و نیاز پر گزارا کیا جا سکتا ہے۔پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے بعض پیروں کا دم بڑا زود اثر ہوتا ہے اور بہت سے مریض جلدی شفا پا لیتے ہیں حالانکہ وہ خود رزق حلال نہیں کماتے۔ایسی صورت حال کے چند پہلوؤں کا احاطہ ضروری ہے۔

دم کرنے والے بزرگ اکثر عامل ہوتے ہیں۔اور عملیات اسی طرح کا ایک فن ہے جس طرح کا ڈاکٹری یا طب ایک فن ہے۔ایک طبیب اگر ہندو ہے تو اس کی دوائی بھی اثر کرے گی، انگریز ڈاکٹر کی دوا بھی اثر کرتی ہے،اسی طرح ایک عامل کا رزق خواہ حلال ہو یا حرام اس کے دم کا اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے فن کے لیے محنت کرتا ہے اور اللہ محنت کرنے والوں کا اجر ضرور دیتا ہے۔

نذر نیاز اصلاً اللہ کے لیے ہوتی ہے۔اس لیے وہ بیت المال میں یا لنگر میں جمع ہو جاتی ہے اور اس سے غربا و مساکین کھاتے ہیں۔ اچھے پیر اس نذر نیاز کو اللہ کا مال سمجھ کر ہی استعمال کرتے ہیں اور غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتے ہیں خود بیت المال سے نہیں کھاتے۔بس

ایک معمولی وظیفے کے طور پر صبح شام کا کھانا لنگر سے لے لیتے ہیں۔ جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المال سے ایک مختصر سا وظیفہ لیا کرتے تھے۔ میں نے ایسے نیک لوگ دیکھے ہیں کہ وہ تمام نذر نیاز کو بیت المال اور لنگر میں شامل کر دیتے ہیں اور خود اس میں سے بس چند لقموں سے زیادہ نہیں لیتے۔ یعنی رزق کفاف سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اس لیے اگر کوئی عقیدت مند اپنے مرشد کو کوئی تحفہ دے تو وہ اس بزرگ کے لیے وصول کرنا جائز ہے۔ نیک لوگ ان تحائف کو بھی آگے مہمانوں اور مریدوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ میں ایک بزرگ کو ملنے کے لیے گیا اس نے رخصتی کے وقت مجھے ایک سوٹ تحفے کے طور پر دے دیا، یہ سوٹ ان بزرگ کی خدمت میں ایک دن پہلے ایک عقیدت مند دے گیا تھا۔

کچھ لوگ دنیا کے طالب ہوتے ہیں وہ درویشی کو اور دم گنڈے کو فقط ایک پیشے کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور اس طرح نذر نیاز، تحفہ، فیس اور بھیک سب کو وہ اپنا ذریعہ آمدنی سمجھ لیتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک وڈیرے سے زیادہ دنیادار بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔

ایسے بہت سے بزرگ دیکھے ہیں کہ انہوں نے ذاتی حساب کو بیت المال اور لنگر کے حساب سے الگ کر دیا۔ میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ ساری عمر کھیتی باڑی کر کے رزق حلال کماتے رہے۔ آج بھی ذاتی اور بیت المال کا کھاتہ الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔

اچھا ذاکر وہ ہے جو خود اپنے ہاتھ سے کمائے، خود بھی کھائے اور اپنے رفقا کو بھی کھلائے۔ ابراہیم ادھمؒ نے بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ گرمیوں کے دنوں میں خود اپنے ہاتھوں سے گندم کاٹتے تھے۔ بطور مزدور ملنے والی گندم سے شام کو اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کر کے خود بھی کھاتے اور اپنے مریدوں کو بھی کھلاتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کاروبار اور تجارت کے ذریعے رزق حلال کمایا۔ اگر مجبوراً فاقہ آ بھی گیا تو کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ سات دن بھوکے

رہے لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ آج اگر لوگوں نے درویشی کو ذریعہ آمدن بنالیا ہے تو ان کا ذاتی فعل ہے۔ اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ خدا کے لیے زندہ رہنے والے خواہ امیر ہوں یا غریب، اپنا رزق خود تلاش کرتے ہیں اور ضروریات زندگی کے لیے دوسروں کے ہاتھ کی طرف نہیں دیکھتے۔ وہ صرف اور صرف اللہ کے فضل کی تلاش میں رہتے ہیں۔

رزق حلال کی اہمیت کے پیش نظر چند احادیث درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ الْكَسْبِ كَسْبُ الْعَامِلِ اِذَا نَصَحَ.

بہترین کمائی اس مزدور کی کمائی ہے جو خیر خواہی سے کام کرے۔ (مسند احمد)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ فَاِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِیَ رِزْقَهَا وَاِنْ اَبْطَأَ عَنْهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ خُذُوْا مَا حَلَّ وَدَعُوْا مَا حُرِّمَ.

اے لوگو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ اختیار کرنا۔ اس لیے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک کہ اسے پورا رزق نہ مل جائے اگرچہ اس کے ملنے میں کچھ تاخیر ہو۔ اللہ سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا۔ حلال رزق حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب بھی نہ جاؤ۔ (ابن ماجہ)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، صحابہؓ نے دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں بہت متحرک ہے اور پوری دلچسپی لے رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اس کی یہ دوڑ دھوپ اور دلچسپی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى عَلٰى وَلَدِهٖ صِغَارًا فَهُوَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى عَلٰى نَفْسِهٖ يُعِفُّهَا فَهُوَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى رِيَآءً وَّمُفَاخَرَةً فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ الشَّيْطَانِ ۔

(طبرانی)

اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لیے دوڑ دھوپ کررہا ہے تو اللہ کی راہ میں شمار ہوگی۔ اگر اپنی ذات کے لیے کوشش کررہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا رہے تو یہ کوشش بھی فی سبیل اللہ شمار ہوگی۔ البتہ اگر یہ محنت لوگوں کو دکھانے اور فخر و برتری جتانے کے لیے ہے تو یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی۔

اچھے ساتھی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

(۲۹۔الفتح۔۴۸)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم جب انہیں دیکھو گے تو رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ سے پہچانے جاتے ہیں۔

نبی ﷺ کے ساتھیوں کی یہ تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ جہاد کرتے ہیں، اپنے ساتھیوں کے لیے نرم خُو ہیں اور ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح آپؐ کے ساتھی بھی نرم دل ہیں اور ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ صحبت کا اثر ہوتا ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ نبی ﷺ کی صحبت کا اثر صحابہ کرامؓ پر ہوسکتا ہے تو آج بھی ایک نیک شخص کی معیت اور صحبت کا اثر ہوسکتا ہے۔ استاد کی صحبت کا اثر شاگرد پر اور شاگرد کی صحبت کا اثر استاد پر لازماً پڑتا ہے۔ یہی حال

اہل ذکر کا ہے۔ایک ذکر کرنے والے کی معیت اور صحبت میں بیٹھنے سے لازماً دوسرے کے قلب اور ذکر پر اثر پڑتا ہے۔اس لیے بیوی، دوست، پیر اور مرید سب کے انتخاب میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ کیونکہ جن لوگوں کے ساتھ رہنا ہوتا ہے ان کی طبعیت اور مشغولیات اور ذکر اذکار کا اثر انسان قبول کرتا ہے۔دنیا میں بہت سے لوگوں سے تعلق رہتا ہے۔لیکن رضائے الٰہی کا تعلق صرف ایسے لوگوں سے ہونا چاہیے جو خود بھی رضائے الٰہی کی تلاش میں ہوں۔نصب العین کی ہم آہنگی سے اصلاح،تقویٰ اور احسان میں بڑھوتری ہوتی ہے۔ایک شخص جو خود اپنی اصلاح کر رہا ہے، وہ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا ہے،اس کی ان اصلاحی کوششوں کا اثر ضرور ہوتا ہے۔صحبت کا اثر تو جانوروں پر بھی ہوتا ہے۔ اچھے مالکوں کا اثر جانور قبول کرتے ہیں اور جانوروں کی خصلتوں کو چرواہے قبول کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَآءُ فِيْ اَصْحَابِ الْاِبِلِ	اور فخر وتکبر کرنا اونٹ والوں کا کام ہے اور سکون
وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ ط	اور وقار بکریوں والوں میں ہے۔

(بخاری باب الفتن۔راوی ابو ہریرہؓ)

یہ سچی حدیث مذکورہ بالا حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے۔انسان تو انسان خود حیوانوں کا اثر انسان کی نفسیات پر پڑتا ہے۔اگر ایک علم اور حق کا سچا طالب نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھے، اہل علم وتقویٰ کی رفاقت میں زندگی کا سفر طے کرے تو اس کی اصلاح ضرور ہوگی۔اس سلسلے میں ہمارا تجربہ اتنا ہے کہ کسی کی حرکتوں کو دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ اس کے والدین، استاد اور مرشد کیسے ہیں۔بھوکے اور کم ظرف باپ کی اولاد تو دور سے ہی پہچان لی جاتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک عمدہ صفات والے انسان تھے۔ نبی ﷺ کی صحبت نے ان کو ایک بہترین انسان بنا دیا۔ان کی بطور خلیفہ اوّل کامیابیوں میں ان کے رفقا اور اصحاب شوریٰ اور حلقہ احباب کا بھی حصہ ہے۔اس کے بالمقابل بنو امیہ کے حکمرانوں کی ناکامیوں کی وجہ ان کے غلط مشیر اور ساتھی تھے۔آج کے سیاسی، مذہبی لیڈروں کے احوال کا مطالعہ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ

اچھے ساتھی کامیابیوں کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہی حال ذکر اور قلب کا ہے۔ اچھا دوست کوئی بھی کام نہ کرے اس کی صحبت میں دل کے احوال بدل جاتے ہیں۔ غمزدہ کو سکون ملتا ہے۔ پریشان حال کے جذبات میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ اگر باہم دگر پیار کی بات کریں تو زمانے کی سختیاں ہلکی نظر آتی ہیں۔ اگر مل کر ذکر کریں تو روح وقلب کی کیفیات میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔

ایک خبیث انسان پاس آکر بیٹھ جائے، کوئی کام نہ کرے، کوئی بات نہ کرے پھر بھی اس کی صحبت سے ذکر میں اچھی خاصی دقت آجاتی ہے۔ بلکہ بعض سے تو ایسی بو آتی ہے کہ مجلس میں بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ بعض سے تو خنزیر جیسی بو آتی ہے۔ اسی باب میں ہمارے تجربات بہت ہیں۔ ایک میلے کپڑوں میں ملبوس نیک آدمی کی صحبت فرحت افزا ہو سکتی ہے لیکن ایک خبیث صاف ستھرے آدمی کا قلب اور ذکر پر جو برا اثر پڑتا ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تجربہ کرنے سے ہی بات سمجھ آتی ہے۔ جس طرح گلاب کی خوشبو سے کمرہ مہک اُٹھتا ہے اسی طرح نیک لوگوں کی صحبت سے مجلس زعفران بن جاتی ہے۔ جس طرح گندگی کی سڑاند سے جسم بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح غلط کار لوگوں کی صحبت سے انسان کی روح اور ذکر کمزور پڑ جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو مردہ ضمیر اور مردہ روح کی بڑی وجہ برے لوگوں کی صحبت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار نیک صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَكُونُواْ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿١١٩﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

(۱۱۹۔ التوبہ۔ ۹)

گو ذکر کے معاملے میں خبیث روح کی صحبت نقصان دیتی ہے لیکن دعوت و تعلیم کے نقطہ نظر سے خبیث روحوں کی اصلاح کرنے کے لیے ان کے پاس بیٹھ کر ان کو وعظ و نصیحت کرنا ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کی معیت صرف دعوت کی حد تک ہی ہونی چاہیے۔

مرشد کے ذکر کا مرید پر اثر

مرشد کے ذاتی ذکر کا مرید پر بہت اثر ہوتا ہے۔ صاف روح، صاف قلب اور ذکر الٰہی

کے نور سے منور آنکھیں مرید پر اثر کرتی ہیں۔ اگر ایک صاحب خود ایک کلمے کا ذکر نہیں کرتے اور آگے اپنے مرید کو اس ذکر کے کرنے کا حکم دیتے ہیں تو مرید کے لیے وہ ذکر زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن اگر مرشد پہلے خود اس کلمے کا ذکر کرے اور پھر اپنے شاگرد کو سکھائے تو اس کا اثر بڑی جلد اور زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس لیے اہل ذکر وہی تعلیم آگے دیتے ہیں جس پر ان کا اپنا عمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی نئی چیز تعلیم کرنی ہو تو پہلے استاد کو خود اس پر عمل کرنا چاہیے۔ بعض اوقات لوگ احادیث سے پڑھ کر ذکر کر لیتے ہیں۔ اس باب میں ہمارا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ حدیث سے پڑھ کر ذکر کرنے کے اثرات دیر سے مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن وہی حدیث کا ذکر کسی ایسے شخص سے سیکھا جائے جس کا اپنا عمل اس ذکر پر ہو تو سیکھنے والا کم وقت میں بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ پتوکی کے حکیم محمد حسین مرحوم کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک عالم دین سے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ذکر سیکھا۔ گھر آ کر اس کی کثرت کر دی۔ ان پر روحانی کیفیات کی بارش شروع ہو گئی، چند دنوں کے بعد ان کو جنت کی زیارت بھی ہو گئی۔ ایک دن ذکر کے دوران یک دم اندھیرا چھا گیا اور ساری روحانی کیفیت یک بارگی ختم ہو گئی۔ بڑے پریشان ہوئے۔ صبح پتوکی کے نزدیک واں رادھارام آ کر اخبار پڑھا تو پتہ چلا کہ وہ عالم دین جن سے ذکر سیکھا تھا فوت ہو گئے ہیں۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرشد کے ذکر کا مرید کے ذکر پر بہت اثر ہوتا ہے۔ چاہیے کہ ہم اپنے شاگروں کو وہ علم سکھائیں، وہ ذکر سکھائیں جس پر خود ہمارا اپنا عمل ہے۔ ایسے کلمات کا ذکر نہیں بتانا چاہیے جس پر خود انسان کا اپنا عمل نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ مرشد کی قلبی کیفیات کا اثر مرید کے ذکر پر ضرور ہوتا ہے۔

مرشد پر مرید کے ذکر کا اثر

جس طرح مرشد کے ذکر کا اثر مرید پر پڑتا ہے اسی طرح مرید کے ذکر کا اثر بھی مرشد پر پڑتا ہے۔ ایک اچھا، نیک، صاحب ذکر، حلال رزق کمانے والا اور خدا کے دین کے لیے دن رات محنت کرنے والا شاگرد اپنے استاد کی ترقی کا باعث بھی بنتا ہے۔ اچھی روح کا اثر اپنے استاد

پر بھی پڑتا ہے۔اس باب میں ہمارے تجربات اتنے ہیں کہ بیان ہی نہیں کر سکتے۔گفتگو،صحبت، علم،تقویٰ کا بھی باہم دگر اثر ہوتا ہے۔اسی طرح ذکر کا بھی اثر ثابت ہے۔ایک مرشد تہجد میں غفلت کرتے تھے۔ان کا ایک شاگرد آ گیا اسے آپ نے تہجد کی تعلیم دی۔اس نے باقاعدگی کرنا شروع کر دی۔شاگرد گھر بیٹھا ہوا ذکر کر رہا ہے اور استاد صاحب خود بخود تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور ان کی سستی،کوتاہی اور غفلت دور ہو جاتی ہے۔یہ وہ حالت ہے کہ دونوں کا گھر دُور دُور ہے۔اگر ایک ہی مجلس میں ہوں تو کیفیات میں اور بھی ترقی ہو جاتی ہے۔جس طرح مصاحبت کا اثر ہوتا ہے اسی طرح اچھے مرید کا ذکر پیر و مرشد کی بھی اصلاح کر دیتا ہے۔

مرشد اور مرید کا باہمی تعلق

مرشد رشد سے نکلا ہے۔رشد کا مطلب ہے ہدایت۔مرشد کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے متوسلین و مریدین کی صراط مستقیم کی طرف صحیح رہنمائی کرے اور مرید اس ہدایت سے فائدہ اس وقت اُٹھا سکتا ہے جب اس کی نیت ٹھیک ہو۔وہ ہدایت کا سچا طالب ہو اور وہ سمع و اطاعت کے اصولوں کے مطابق ہر صحیح حکم کی پیروی کرے۔مرشد کو بعض لوگ باپ کا درجہ بھی دیتے ہیں۔اصل میں یہ مقام استاد کا ہے۔

ان سب پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ذکر کے موضوع پر غور کیا جائے تو چند اہم امور سمجھ آتے ہیں۔ایک یہ کہ مرشد کی ہدایات اور تجربات سے صحیح فائدہ اُٹھایا جائے۔بس وہی ذکر کیا جائے جس کی ہدایت کی گئی ہو۔ذکر کے لوازمات سیکھے جائیں۔جو مرید روز اپنے مرشد سے رہنمائی لے گا اس کا سفر آسان ہو جائے گا۔جو سال میں ایک دفعہ ملتا ہے اور صرف دیدار کی حد تک رہتا ہے وہ ذکر میں خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتا۔صحابہؓ کے طرز عمل پر غور کیا جائے تو وہ نبی ﷺ سے ایک دن میں کئی بار ملا کرتے تھے اور ہدایت کی طلب میں بہت سا وقت نبی ﷺ کی صحبت میں صرف کیا کرتے تھے۔

سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ایک سائنس دان کے تجربات کی روشنی میں دوسرا سائنس دان اور شاگرد جب تحقیق کرتا ہے تو مزید تجربات سے علم کو ترقی ملتی ہے۔ اچھا شاگرد اپنے استاد کے تجربات میں مفید اضافے کرتا ہے۔ اس طرح نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے علم میں شاگرد کا علم جمع ہو جائے تو دو چند ترقی ہوتی ہے۔ اس طرح ایک قابل شاگرد اپنے مرشد اور ہادی کے ذکر کو آگے بڑھا کر اپنے مرشد کا نام روشن کر دیتا ہے۔ مرشد اور مرید یا استاد شاگرد کے چار درجے ہیں۔ ایک لائق استاد کا لائق شاگرد بڑی جلدی ایمان، تقویٰ، احسان، رضا، ذکر کی منزلیں طے کر لیتا ہے اور چند ماہ کے ذکر سے ہی انوار و تجلیات حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس نالائق استاد کے نالائق مرید کئی سال کی محنت کے باوجود چند گز کا سفر بھی نہیں کر پاتے۔ بس رسم ذکر ادا کرتے ہیں، فیض سے محروم ہی رہتے ہیں۔ نالائق پیر کے قابل مرید کو کسی مقام تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے پھر بھی وہ نالائق ہی رہتا ہے۔ چند ماہ کی کوشش کے بعد وہ پھر نئے پیر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے، اس طرح بہت سا وقت اچھے مرشد کی تلاش میں ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ ایک قابل اور لائق استاد کو نالائق شاگرد کی اصلاح کے لیے بڑی محنت اور مغز ماری کرنی پڑتی ہے۔ ہزار کوششوں کے باوجود نااہل مرید کوئی ترقی نہیں کرتا۔

یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ اچھے استاد کے علم اور تجربات سے استفادہ کر کے ایک اللہ کی رضا کا سچا طالب بڑی جلدی مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ ذکر و فکر کی صلاحیت اللہ کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے کم دے۔ یہ عطا نظام تخلیق و تقدیر کا حصہ ہے۔ اس بنیادی عطا اور تقدیر کو تعلیم و تربیت سے سنوارا، بڑھایا یا کم کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات صدیوں کے تجربات سے ثابت ہے کہ کم صلاحیت کا شخص اچھی تعلیم و تربیت سے اچھا بن سکتا ہے اور اعلیٰ صلاحیت کے شخص کو غلط تعلیم و تربیت سے نکما بنایا جا سکتا ہے۔ مرشد کے نظام تعلیم و تربیت اور معاشرے کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے۔ غلط راہوں پر چلنے کے لیے تھوڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ بلندی سے نیچے گرنے کے لیے بس پھسلنا ہی کافی ہے، انسان خود بخود

نیچے گر جاتا ہے۔ لیکن بلندیوں کے سفر اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر انسان کے پاس صلاحیت بھی ہے اور اسے اچھا نصب العین مل جائے، تجربہ کار اور لائق مرشد بھی مل جائے تو اللہ کی رضا کا سفر چند لمحات کی بات ہے۔

مرشد کی توجہ

مرشد اپنے مرید کے حق میں ہدایت کی دعا بھی کرتا ہے اور تعلیم و تربیت سے اس کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا ہے اور اپنے شاگرد میں برپا ہونے والے تغیرات پر بھرپور توجہ رکھتا ہے۔ کوئی شاگرد اچھا ہوتا ہے جلدی بات سمجھ لیتا ہے۔ توبہ کر کے جلدی اصلاح کر لیتا ہے۔ ذکر کے مدارج جلدی اور خلوص سے طے کر لیتا ہے۔ کسی کو بات بار بار سمجھانی پڑتی ہے۔ کئی ایک تو اشارے کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں اور کسی کو تفصیل سے بتانا پڑتا ہے۔ چند ایک کی گوشمالی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے کانوں کی میل نکلے تو بات دل پر اثر کرے، چند ہٹ دھرم اور ضدی مرید ہوتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لیے دعا بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ ضدی اور اڑیل مرید کروڑوں روپے کا نقصان کر کے بات مانتا ہے۔ اللہ کے راستے کے سفر میں ضد کرنا گناہ ہے۔ اس سفر میں تو جو جتنی جلدی اطاعت کرے اس کا فائدہ ہے۔ چند پیارے ایسے جاہل اور ناقدر شناس ہوتے ہیں کہ ان کی ہدایت کا کئی سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔ صبر کی گھڑیاں اتنی لمبی ہو جاتی ہیں کہ بعض لوگ مایوس ہو جاتے ہیں اور ہدایت کی دعا بھی کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

توجہ۔ وجہ سے نکلا ہے۔ یعنی جو کام ہو رہا ہو اس کی طرف منہ کرنا اور اس کام کی طرف دیکھنا اور دماغ اور دل کی حاضری سے اس کام میں مصروف ہونا۔ انسان توجہ سے کار چلائے تو ٹھیک، ورنہ ذرا سی بے خیالی سے حادثہ ہو جاتا ہے۔ بس یہی توجہ مرشد کا عمل ہے۔ وہ مرید کے عقائد، اعمال اور حرکات و سکنات پر توجہ رکھتا ہے۔

روح کے اثرات دل، آنکھ، زبان اور ہاتھ کے ذریعے آگے دوسری روح تک پھیلتے ہیں۔

جب ایک مرشد اپنے مرید کی طرف دل و دماغ اور سارے اعضا جسم کے ساتھ متوجہ ہوگا تو مرشد کی روحانیت کے اثرات مرید کے سارے ہی اعضا پر پڑیں گے۔ روحانیت کے اعتبار سے تو ہر عضو کا دوسرے عضو پر اثر ہوتا ہے لیکن زبان اور آنکھ دو ایسے اعضا ہیں جن کا دوسروں کے دل و دماغ اور روحانیت پر بہت اثر ہوتا ہے۔ جس طرح ایکسرے مشین سے لہریں نکلتی ہیں اور فلم پر اثر مرتب کرتی ہیں۔ اسی طرح زبان ہلائے بغیر دل اور آنکھ سے نکلنے والی شعاعوں کا اثر دوسرے کے اعضا اور اعمال پر پڑتا ہے۔ اہل ذکر اپنے مریدوں کو جب خصوصی توجہ دیتے ہیں تو مریدوں کا دل خود بخود دھڑکنا اور اللہ اللہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ سچے طالب حق کے لیے ایک توجہ ہی کافی ہوتی ہے۔

فیض نظر

آنکھ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کمالات عطا کیے ہیں۔ محبت کی دنیا کا تو انحصار ہی دل اور نگاہ پر ہے۔ دل کو آنکھ سے خاص تعلق ہے۔ جذبات، خیالات، احساسات، قلبی کیفیات اور روحانیت ہر ایک کا اثر نگاہ پر پڑتا ہے۔ اہل ذکر کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیتیں ودیعت کی ہوتی ہیں۔ آنکھ کے اثر کی بڑی تفصیلات ہیں۔ ایک لمبے عرصے تک ذکر کرنے سے جب آنکھ حق کو دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے دیدار کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس پر پس پردہ حقائق کھلتے ہیں۔ اللہ کے ایسے منتخب اور محبوب بندوں کو ولی اللہ کہتے ہیں۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی نگاہ میں بھی ایک خاص نور ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک خاص چمک ہوتی ہے۔ یہ نورانی کیفیت والی نظر جب اہل ذکر و تقویٰ کے دلوں پر پڑتی ہے تو نور کی شعاعیں بڑی زوردار ہوتی ہیں۔ وہ دل کی دھڑکنوں کو تبدیل کر دیتی ہیں۔ اللہ کی یاد میں سرشار دل نئے انداز میں کام شروع کر دیتا ہے۔

جب مرد اور عورت کی نگاہیں ملتی ہیں تو نفسانی جذبات میں ہل چل مچ جاتی ہے۔ بعض اوقات تو دل کی دھڑکن بے بس کر دیتی ہے۔ اگر ایک نگاہ غلط سے دل میں تغیر آ سکتا ہے تو اللہ کی

کرم نوازی سے صحیح اور پرخلوص نگاہ سے دل میں تغیرات کیوں نہیں آسکتے۔ دل کی حالت بدلتی ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا دل موجود ہو۔ ریڈیو پاکستان لاہور سے لہریں اُٹھتی ہیں، ان لہروں کو قبول کرنے والا ریڈیو سیٹ صحیح ہونا چاہیے۔ نگاہ مردِ مومن سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ لیکن اس تغیر کے لیے شرط اوّل قبول کرنے والے دل کی حالت کا صحیح ہونا ہے۔ نیت کا نیک ہونا اور قلب کا متوجہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ نگاہ پتھر کو بھی پھاڑ دیتی ہے لیکن مردہ دل کو زندہ نہیں کرسکتی۔ زندہ دل کی حرکت تبدیل کرسکتی ہے۔ تقدیر بدلنے والی نگاہ سے زیادہ اہم نگاہ کو قبول کرنے والے دل کی حالت ہے۔ اگر نگاہ بلند، سخن دل نواز اور جاں پُرسوز ہوتو آگے فیضِ نگاہ پانے والے دل کو بھی پرسوز ہونا چاہیے۔ گناہ گاروں کے دل بھی نگاہ سے بدل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی اگر ایمان ہوتو دل کی تمام سیاہی دھل سکتی ہے۔ اگر دل کے کسی گوشے میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان، یقین یا صحیح نیت موجود نہ ہوتو کوئی ولی اللہ بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ قرآن کی یہ شرط واضح ہے کہ یَھۡدِیۡ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ (۱۳۔الشوریٰ۔۴۲) فیض نظر کو بڑی اہمیت ہے اور میں نے اپنی زندگی میں فیض نظر کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن فیض نظر کو حاصل کرنے والی پہلی شرط ہی وصول کرنے والے دل کا صحیح ہونا ہے۔ دل کی روشنی کا اثر نیکیوں پر بھی پڑتا ہے لیکن بہت بڑے گناہ گار کا دل ضروری نہیں کہ سیاہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نشان پڑجاتا ہے اور اس طرح گناہوں کی کثرت سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اور سیاہ دل پر نگاہ مردِ مومن کا اثر نہیں ہوتا۔ بعض گناہ گار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دل بالکل سیاہ نہیں ہوتا کچھ ذرات ایمان اور اخلاص کو لیے ہوئے کسی گوشۂ دل میں چھپے بیٹھے ہوتے ہیں جب ان پر نگاہ محبت پڑتی ہے تو وہ بیدار ہوکر سیاہ دل کو منور کردیتے ہیں۔ نگاہ میں اصل قوتِ متحرکہ حبِّ الٰہی ہے۔ مرشد اور مرید دونوں کی حُب الٰہی کی شعاعیں جب آپس میں ملتی ہیں تو روحانیت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ایک شعلہ نواز مقرر دلوں کی حالت بدل سکتا ہے۔ ایک گانے والی عورت دلوں کی حرکت تبدیل کردیتی ہے تو کیا اللہ کے پیارے دل کی حالت نہیں بدل سکتے؟ نگاہ کا فیض ایک ابدی حقیقت ہے۔ ایسی نگاہوں کی تلاش کرنی چاہیے۔ کرم کی ایک نگاہ بہت سے دکھ دور کردیتی ہے۔

بیعت

ذکر کے لیے بیعت ضروری نہیں ہے۔ اچھے اہل ذکر سکھانے کے لیے بیعت کی شرط نہیں لگاتے۔ اگر کوئی شخص تخصیص حاصل کرنا چاہے تو اسے اپنی نیت کے اعتبار سے بیعت کرنا لازمی ہے۔ چونکہ بیعت کا ذکر چھڑ گیا ہے اس لیے بیعت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کر لی جائے تو اچھا رہے گا۔ بیع کے معانی ہیں فروخت کرنا، خرید وفروخت کا معاہدہ کرنا، اسی سے لفظ بیعت نکلا ہے۔ بیعت کے معنی ہیں عہد و پیمان۔ اصطلاحِ شرع میں بیعت اس معاہدے کو کہتے ہیں جو ایک مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کرتا ہے۔

قرآن نے بیعت کا ذکر کئی جگہ کیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

(۱۱۱۔التوبہ۔۹)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ، انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہو۔ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾

(۱۸۔الفتح۔۴۸)

اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

جو صحابی پہلی دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتا تو وہ آپؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر ایک معاہدے کے الفاظ دہراتا۔ سب سے پہلے کلمہ شہادت پڑھا جاتا پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سمع وطاعت کی بات ہوتی۔ بعض اوقات عمل صالح کا بھی ذکر ہوتا۔ اس طرح سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا۔

حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمُکْرَہِ وَعَلٰی اَثْرَۃٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لَائِمٍ.

(مسلم)

ہم نے بیعت کی جناب رسول اللہ ﷺ سے سننے اور بات ماننے پر سختی اور آسانی میں، خوشی اور ناخوشی میں، گو ہمارے حق کا خیال نہ رکھا جائے، اور اس بات پر کہ ہم جھگڑا نہ کریں گے اس شخص کی سرداری میں جو اس کے لائق ہے، اور یہ کہ ہم سچ بات کہیں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اللہ کی راہ میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

عورتوں کی بیعت کے وقت آپ ہاتھ میں ہاتھ نہیں لیتے تھے بلکہ ایک کپڑے کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہوتا دوسرا سرا عورت کے ہاتھ میں ہوتا۔ بعض اوقات بغیر ہاتھ ملائے اور بغیر کپڑے کے بھی آپ بیعت کر لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

وَاللّٰہِ مَا اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَی النِّسَآءِ قَطُّ اِلَّا بِمَا اَمَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا مَسَّتْ کَفُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ کَفَّ امْرَأَۃٍ قَطُّ وَکَانَ یَقُوْلُ لَھُنَّ اِذَا اَخَذَ عَلَیْھِنَّ قَدْ بَایَعْتُکُنَّ کَلَامًا.

(مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کوئی اقرار نہیں لیا مگر جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور آپؐ کی ہتھیلی کسی عورت کی ہتھیلی سے کبھی نہیں لگی بلکہ آپؐ صرف زبان سے فرما دیتے جب وہ اقرار کر لیتیں تو کہتے کہ میں تم سے بیعت کر چکا۔

اگر زیادہ آدمی ہوتے تو آپ پگڑی پھیلا دیتے اور سب لوگ پگڑی کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ ایک سرا خود حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہوتا، آپؐ الفاظ ادا کرتے اور بیعت کرنے والے دہراتے، اس طرح ایک معاہدہ طے پا جاتا۔

رسول اللہ ﷺ کی بیعت صحابہؓ پر لازم تھی۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی عوام الناس سے بیعت لی۔ صحابہؓ کی بیعت میں کلمہ شہادت اور سمع و طاعت کے بعد ایک فقرے کا اضافہ کیا جاتا کہ ہم معروف میں اطاعت کریں گے۔

اب بھی بیعت کی بہت سی شکلیں رائج ہیں۔ ذیل میں ہم جائز صورتوں کا ذکر کریں گے۔

بیعت توبہ

ایک گناہ گار شخص کسی بھی نیک آدمی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کر سکتا ہے۔ وہ شخص جس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے، وہ گناہوں کی تلافی کے لیے مفید مشورہ دیتا ہے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اُسے ایک اچھا مسلمان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بیعت میں اہمیت اس شخص کو حاصل ہے جو توبہ کرتا ہے۔ اگر وہ مخلصاً توبہ کرے تو بغیر بیعت کے بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

بیعت اصلاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

(۱۲۔ الممتحنہ۔ ٦٠)

اے نبی ﷺ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

عورتوں کی اس بیعت میں گناہوں سے بچنے اور اصلاح اعمال کا ذکر ہے۔اسی طرح آج بھی اعمال صالح اختیار کرنے اور گناہوں کی اصلاح کرنے کے لیے کسی نیک آدمی کے ہاتھ پر بیعت ہو سکتی ہے۔

بیعت جہاد

جہاد ایک ایسا فریضہ ہے جسے قیامت تک جاری رہنا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کا ایک گروہ قیامت تک جہاد کرتا رہے گا **عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ** (المسلم معاویہ بن ابی سفیان) **لَاتَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ** (المسلم۔عبدالرحمٰن بن شامہ) اس لیے جہاد کے لیے بیعت بھی جائز ہے۔حدیبیہ کے مقام پر سمرہ (کیکر) کے درخت کے نیچے آپؐ نے بیعت رضوان لی۔ بیعت کرنے والے سب پہلے سے مسلمان تھے۔ یہ بیعت صرف جہاد کے لیے تھی۔اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا اور اس کا ذکر سورہ الفتح میں گزر چکا ہے۔اس بیعت کے خاص الفاظ تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

بَايَعْنَاهُ عَلٰى اَنْ لَّانَفِرَّ ہم نے یہ بیعت کی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔

جہاد خواہ سیاسی ہو یا عسکری، اس میں نظم و ضبط بہت ضروری ہے۔ ڈسپلن کے لیے اطاعت امر ضروری ہے۔مسلمانوں کا نیا فرقہ بنانا جائز نہیں ہے۔البتہ اصلاح احوال کے لیے نئی جماعت بنانا اس طرح جائز ہے کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث نہ بنے۔ فتنے کے اس دور میں صحیح طور پر کام کرنے والے مجاہدین کا سردار بیعت لے سکتا ہے۔واضح ہو کہ گھر گھر اور گاؤں گاؤں کی الگ الگ جہادی تنظیمیں جائز نہیں ہیں۔سب تنظیمیں مل کر ایک تنظیم بنیں اور حق کے مطابق جہاد کریں تو پھر اسلام کا فائدہ ہے۔گروہوں،فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو کر کچھ افراد کو تو فائدہ مل سکتا ہے لیکن اسلام کا نقصان ہی ہوتا ہے۔فساد برپا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

جہاد اور فساد میں بہت فرق ہے اور اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جہاد فرض کفایہ ہے اور

فساد حرام ہے۔ تاہم حق کی سربلندی کے لیے آج بھی جہاد ہوسکتا ہے بشرطیکہ فتنہ و فساد سے بچا جائے۔

حکومت کا حلف نامہ

اپنے ملک میں امیر المومنین کی بجائے آئین سے وفاداری کا عہد لیا جاتا ہے۔ ہر صدر، وزیر اعظم، رکن اسمبلی، آئین سے وفاداری کا عہد کرتا ہے۔ یہ بھی بیعت کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس اطاعت آئین میں شرعاً اصلاح کی گنجائش ہے۔ البتہ یہ حلف برداری بذات خود شریعت کے مطابق ہے گو کہ یہ بیعت نہیں ہے۔

دینی جماعتوں کا حلف نامہ

بعض دینی جماعتیں بھی اپنے ارکان سے اطاعت امیر کا حلف لیتی ہیں۔ اس حلف میں جماعت کے دستور اور جماعت کے امیر کی اطاعت کا وعدہ لیا جاتا ہے۔ یہ بھی بیعت سے مشابہ ہے اور شرعاً جائز ہے۔ جماعت کا امیر خواہ کتنا ہی پارسا ہو وہ امیر المومنین نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک گروہ یا جماعت کا تو امیر ہوگا پوری اُمت کا امیر نہیں گنا جائے گا۔ جماعت کے امیر کی اطاعت بھی صرف معروف میں ہوگی۔ کسی نئے فرقے یا گناہ میں اطاعت گناہ ہے۔ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں۔

اِنَّـهٗ سَتَكُوْنُ هَنَاتٌ وَّ هَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَاَنْ يُّـفَـرِّقَ اَمْـرَ هٰـذِهِ الْاُمَّةِ وَهِـىَ جَـمِـيْـعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًامَّنْ كَانَ

فتنے اور فساد بہت قریب ہیں۔ جو کوئی اس اُمت کے اتفاق کو بگاڑنا چاہے تو اس کو تلوار سے مارو، چاہے وہ کوئی بھی شخص ہو۔

(المسلم)

اس لیے وہ جماعت جو مسلمانوں کو اکٹھا کر کے اقامت دین کی کوشش کرے اس کا ساتھ دینا تو جائز ہے لیکن جو نئے فرقے کی بنیاد ڈالے اس سے تعاون کرنا دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

پیروں کی بیعت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر المومنین کی جگہ بادشاہوں نے لے لی۔ گو وہ اپنے آپ کو خلیفہ اور امیر المومنین ہی کہلایا کرتے تھے۔ لیکن شرعاً وہ امیر المومنین کے منصب کے اہل نہ تھے۔ بلکہ بعض تو غاصب اور ظالم بھی تھے۔ اس لیے صوفیائے کرام نے تصوف کے نام سے ایک نیا نظام رائج کیا اور بعد میں آنے والوں نے اس کو ایک منظّم جماعت کی شکل دے دی۔ اس طرح سے پیر و مرید اور مرشد و طالب کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جس میں بیعت ایک ضروری عنصر بن گیا۔ آج پیروں اور مریدوں کی جماعتیں اتنی منتشر ہیں کہ ہر گھر میں چار چار پیر ہیں۔ اس طرح سے لاکھوں پیروں کے کروڑوں مرید ہیں۔ اب تصوف ایک پیشہ اور فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ مزاروں اور گدیوں کی وجہ سے اس نظام کو اور بھی تقویت ملی۔ بہت سی چیزیں بعد میں ایسی داخل کر لی گئیں جو خلاف شرع تھیں۔

آج کا پیر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مامور من اللہ (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) ہے اور اس کے مرید بھی اسے ایسا ہی سمجھ کر اس کی بیعت کرتے ہیں۔ اس تصور کی وجہ سے لوگ پیر کو اللہ اور اس کے رسول کا نمائندہ خیال کرتے ہیں۔ اس لیے بیعت کو لازم بنالیا گیا ہے۔ یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ جس نے کسی پیر کی بیعت نہ کی ہو وہ حرام موت مرتا ہے اور اس کا جنازہ بھی جائز نہیں ہوتا۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ پیر، مرشد، ہادی اپنے مرید کا ہادی تو ہوسکتا ہے سارے مسلمانوں کا نہیں۔ اگر کوئی شخص مامور من اللہ کا دعویٰ لے کر اُٹھے تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ حق صرف پیغمبرؑ کو ہی حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرے، البتہ اگر کوئی توبہ اور اصلاحِ اعمال کے لیے کسی ہادیٔ برحق کے ہاتھ پر ہدایت کی نیت سے بیعت کرتا ہے تو وہ فرض نہیں صرف اصلاحی بیعت ہوگی۔ اگر کوئی شخص بطور استاد کے کسی سے تصوف سیکھنا چاہے تو اسے شاگردی کرنے کے عوض بیعت کرنا ہوگی۔ تا کہ وہ تصوف کا فن سیکھ سکے۔ رہا کسی بزرگ کی فرض

بیعت تو وہ آج کے اس دور میں ساقط ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خلیفہ موجود نہیں ہے۔لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے غلط استدلال کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَداًمِّنْ طَاعَةٍلَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَاحُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً. (المسلم)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جو شخص اپنا ہاتھ اطاعت سے نکال لے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص مر جائے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

یہ حدیث واقعہ حرہ کے پس منظر میں بیان ہوئی ہے۔ یہ ایک خالصتاً عسکری اور سیاسی معاملہ ہے۔ اس حدیث میں بیعت سے مراد امیر المومنین کی بیعت ہے۔ اس لیے اسے پیری مریدی کے نظام پر چسپاں کرنا جائز نہیں ہے۔اُس وقت تصوف کا کوئی نظام موجود نہ تھا۔صحابہؓ کے اس دور میں تو پیروں کی بیعت کا کوئی تصور ہی موجود نہ تھا۔ایک کے بعد دوسرے شخص کی بیعت کے لیے درج ذیل حدیث سے رہنمائی ملتی ہے۔مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ ہجرت کی بیعت کروں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْهِجْرَةَ قَدْمَضَتْ لِاَهْلِهَاوَلٰكِنْ عَلَى الْاِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ (المسلم)

ہجرت تو گزر گئی مہاجرین کے لیے، لیکن اب بیعت کر اسلام پر جہاد پر یا نیکی پر۔

اس حدیث کی رو سے توبہ اور اصلاح اعمال کے لیے کسی نیک آدمی کی بیعت جائز ہے۔لیکن اسے فرض کا درجہ دینا جائز نہیں ہے۔آج صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پچاس حکمرانوں میں سے کوئی ایک بھی امیر المومنین نہیں، یہ مقام آج بھی خالی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا خلا ہے جس کے مستقبل قریب میں پُر ہونے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی بلکہ جمہوریت نے تو امیر المومنین

کے امکانات کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ آج کا حکمران اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا صحیح نمائندہ نہیں ہے۔ بلکہ غاصب اور بدعنوان ہے۔ آج کا زمانہ تو فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ اس لیے انسان کسی کی بیعت نہ کرے تو اچھا رہے گا۔ البتہ دین سیکھنے کے لیے کسی اچھے انسان کی شاگردی کر لینی چاہیے۔

آج کے پیر کا پروپیگنڈا یہ ہے کہ چونکہ میں سلسلہ تصوف کا گدی نشین ہوں اور مجھے خلافت کی پگڑی دی گئی ہے اس لیے میری بیعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ تو یہ تصور ہی سرے سے غلط ہے۔ اگر کوئی شخص اصلاح احوال کے لیے کسی بزرگ کو اپنا امیر بنا کر اس کی بیعت کر لیتا ہے تو سمع واطاعت کا نظام اس بزرگ اور شاگرد تک ہی محدود ہو گا۔

بیعت کی نیت

بیعت کی اصل نیت تو یہ ہے کہ ایک گناہ گار مسلمان توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی بزرگ کے ساتھ سمع وطاعت کا وعدہ کرتا ہے۔ اس طرح اس گناہ گار کی اصلاح ہو جاتی ہے اور نیکی اور تقویٰ پروان چڑھتے ہیں۔ امیر المومنین کی بیعت بھی اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کے لیے کی جاتی ہے۔ نظم جماعت کو قائم رکھنے کے لیے امیر ضروری ہے۔

لیکن اس فتنہ کے دور میں بیعت لینے والے اور بیعت کرنے والے دونوں کی نیتیں بدل گئی ہیں۔ پیروں کو مریدوں کی ضرورت ہے تاکہ گدی کا نظام اور ذریعہ روزگار آگے چل سکے اور مرید کو بھی کچھ ضروری کام ہیں جو پیروں کے علاوہ اور کسی جگہ سے نہیں ہوتے۔ تعویذ گنڈے، جادو، عملیات کا چکر اتنا شدید اور گہرا ہے کہ جاہل عوام ان مفاد پرستوں کے فریب سے نکل ہی نہیں سکتے۔ دین سے دوری نے عوام کو تعویذوں کے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آج کے اس ماحول میں شریعت کے سارے احکامات پر تو عمل نہیں ہو سکتا، جو جتنا نیک کام کر سکے غنیمت ہے۔ آج جو بھی شخص بیعت کر رہا ہے وہ پہلے اپنی نیت کو ٹھیک کرے کہ وہ یہ معاہدہ کس نیت اور کس چیز کو حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ ایک شخص توبہ کی نیت سے بیعت کر رہا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ ایک شخص ذکر سیکھنے کے لیے بیعت کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر جاری کر دے گا۔ جو پیر بننے

اور تصوف کا فن سیکھنے کے لیے بیعت کر رہا ہے تو وہ چند سال کی محنت سے پیر بن جائے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور سمع وطاعت کے لیے بیعت کر رہا ہے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت مل جائے گی۔ جو عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اللہ محروم نہیں رکھے گا، اس کی نیت کے مطابق اسے معرفت مل جائے گی۔ جو ہدایت کا سچا طالب ہے اسے ہدایت مل جائے گی۔ اگر ایک پیر سے نہ مل سکی تو کسی دوسرے اللہ والے سے ہدایت مل جائے گی۔ مسئلہ پیر کا نہیں مرید کی نیت کا ہے کہ اس شخص نے اگر دنیاوی مفادات کی خاطر بیعت کی ہے تو اسے دنیا بھی مل جائے گی۔ اچھے لوگ تو صرف رہنمائی کا ذریعہ ہوتے ہیں، اصل عطا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے کام کے لیے چن لیتا ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

(۱۳۔الشوریٰ۔۴۲)

پس ہمارے اس مضمون کے حوالے سے جو بات ضروری ہے وہ ذکر کی نیت ہے۔ اور ذکر سیکھنے کے لیے جو لوگ بیعت کریں گے وہ ذرا بہتر پوزیشن میں ہوں گے کہ سکھانے والا زیادہ دلچسپی سے سکھاتا ہے۔ بیعت سے قلبی اور روحانی تعلق گہرا ہو جاتا ہے اور سمع وطاعت کے نظام کی وجہ سے نظم بہتر ہو جاتا ہے۔ انوار تجلیات جلدی حاصل ہو جاتی ہیں۔ تھوڑی سی محنت سے زیادہ فوائد مل جاتے ہیں۔ فیض دینے والے سے زیادہ اہم فیض حاصل کرنے والے کا خلوص ہے۔ اگر ایک جگہ سے مناسب رہنمائی نہ ملے تو خلوص دوسری جگہ لے جاتا ہے جہاں سے اتنا مل جاتا ہے کہ پچھلی محنت بھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اصل میں ہدایت، ذکر، فیض سب اللہ تعالیٰ کی عطا وعنایت سے ملتا ہے اور اللہ کسی کے قلب اور نیت کو دیکھ کر دیتا ہے۔ اللہ کے اذن کے ساتھ انسان انسان کی خدمت اور قدر کر سکتا ہے۔ استاد، مرشد، ہادی بھی اگر کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو وہ اللہ کے اذن سے ہی دے سکتا ہے۔ ہر انسان کا اصل اور بڑا ہادی اس کی ماں ہے۔ اچھی ماں اپنے بیٹے کو امام حسین رضی اللہ عنہ بنا سکتی ہے۔ اگر ماں اہل علم وتقویٰ میں سے ہو تو ہادیٔ برحق کے جملہ فرائض بحسن وخوبی

ادا کر سکتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ ماں کی بیعت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ ماں نے بیٹے کی صحیح رہنمائی کی اور اسے ولی اللہ بنا دیا۔ ماں کے بعد باپ کا مقام ہے۔ اگر باپ بھی اہل علم و تقویٰ میں سے ہو تو والدین ایک شخص کی مکمل رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ اسے کسی دوسری جگہ سے ذکر یا ہدایت حاصل کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ ایک اچھا بیٹا پوری زندگی کے اسباق نیک ماں باپ سے حاصل کر سکتا ہے۔ تیسرا ہادی محلے کا استاد، قاری اور مسجد کا امام ہے۔

کاش ہمارا معاشرہ نیک معاشرہ ہوتا تو ایک بچے کو دین سیکھنے کے لیے گھر اور محلے سے باہر جانے کی حاجت ہی نہ رہتی۔ ایک ماں، ایک باپ اور ایک استاد ہادی برحق کا مکمل کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تعلیم و تربیت میں کوئی کمی رہ جائے تو پھر کسی نیک آدمی کی صحبت سے اصلاح کی جا سکتی ہے۔

واضح رہے کہ ہدایت صرف پیروں کی اجارہ داری نہیں ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور پیروں کے علاوہ ہزاروں دیگر ذرائع سے دے سکتا ہے۔ رہا تصوف تو چند لوگ اگر تصوف میں تخصص حاصل کرنا ہی چاہیں تو وہ جس کی مناسب خیال کریں بیعت کر لیں یہ ایک اختیاری مضمون ہے لازمی نہیں۔

اچھے صوفی فیض کے لیے بیعت کی شرط نہیں لگاتے۔ فقیر سخی ہوتا ہے اگر بیعت کرے تو اپنے حلقہ میں شامل کر لیتا ہے اگر نہ کرے تو سخاوت جاری رہتی ہے۔ جس طرح مال و دولت میں سخاوت ہے اس طرح علم و عرفان میں بھی سخاوت ہے۔ نبی ﷺ نے گھر گھر جا کر لوگوں کو ہدایت مہیا کرنے کی کوشش کی۔ کافروں، یہودیوں، مشرکوں غرضیکہ سب انسانوں کو تبلیغ کی۔ حضور ﷺ کے فیض سے تو جانور بھی مستفید ہوئے۔

حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں سے ملے حاصل کر لے۔ اور اس دانائی کے حاصل ہونے کا انحصار حاصل کرنے والے کی محنت اور خلوص پر ہے۔ ہدایت کی تلاش کو رزق سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رزق آسمانوں سے اُتار کر زمین میں پھیلا دیتا ہے اور

ہر شخص اسے تلاش کرنے صبح گھر سے نکلتا ہے، پرندے صبح خالی پیٹ گھر سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آشیانوں کو لوٹتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن، رسول اللہ ﷺ اور صالحین کے ذریعے ہدایت کے ذرائع مہیا کر دیئے ہیں۔ اب ان ذرائع سے حق کو تلاش کرنا طالب حق کا کام ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے۔ ذکر کے فیض و برکات حاصل کرنے کے لیے سچے طالب کو محنت کرنی پڑتی ہے اور حق کی تلاش میں اہل اللہ کے پاس جانا پڑتا ہے۔ رزق کے حصول کے لیے صرف ایک ہی کھیت میں محنت کرنا ضروری نہیں، اسی طرح ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ پر اکتفا بھی ضروری نہیں۔ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں ایک ہی مرشد سے سب کچھ مل جاتا ہے اور وہ حق کا ہر پہلو ایک ہی مقام سے حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن بدعات اور غیر شرعی افعال کے اس دور میں ایک مقام سے سب کچھ مل جانے کی توقع بہت کم ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح مختلف پھولوں سے شہد اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ایک سے زیادہ صالح انسانوں سے علم و تقویٰ سیکھنا چاہیے۔

احادیث سے ذکر سیکھنا

کئی طالبان حق مولویوں، پیروں اور لیڈروں سے بدظن ہو جاتے ہیں اور اپنے طور پر براہ راست قرآن اور حدیث سے اکتساب فیض کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بدظنی کی وجوہات کچھ اس طرح سے ہوتی ہیں۔

۱۔ مخلص رہنما نہیں ملتے۔

۲۔ جو ملتے ہیں وہ طالبانِ حق کی علمی سطح اور ذہانت سے کم ہوتے ہیں وہ ان کو مطمئن نہیں کر سکتے۔

۳۔ کچھ لوگ دنیاوی علوم میں ماہر ہوتے ہیں اور غرور علم میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اتھارٹی سمجھ بیٹھتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کو خواہ وہ ان سے زیادہ علم رکھتا ہو قابل التفات نہیں سمجھتے۔ خاص طور پر سادہ لوح اہل علم و تقویٰ کو تو یہ لوگ بدھو اور حقیر جانتے ہیں۔ یہ علم کا غرور بھی رہبر کے صحیح انتخاب میں رکاوٹ ہے۔

۴۔ کچھ لوگ فلسفے کی بھول بھلیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور قرآن اور حدیث سے اپنے مطلب کی چیزیں تلاش کرتے ہیں۔

۵۔ انگریزی علوم سے بہرہ ور لوگ پروپیگنڈے کی وجہ سے مولویوں اور پیروں سے متنفّر ہو جاتے ہیں۔

۶۔ کچھ جاہل ہوتے ہیں اور سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور کسی وجہ سے اہل ذکر کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ تعصّبات کی وجہ سے حق کی طرف سے اندھے ہو جاتے ہیں اور اہل حق سے دور رہتے ہیں۔

۷۔ فرقہ پرستی، گروہی تعصّبات، پارٹی سیاست، قبائلی رسوم وغیرہ نے بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں اہل حق سے نفرت پیدا کر دی ہے۔ ایسی اور بھی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے لوگ اہل حق سے دور رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں کچھ ذکر کر کے اپنی روحانی اور جسمانی اصلاح بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کو اپنے ذہن کے مطابق کوئی صالح انسان ان کے ذاتی اطمینان کی حد تک نہیں ملتا۔ پھر وہ لوگ براہ راست قرآن اور حدیث کے اُردو تراجم سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف قسم کے اوراد و وظائف کو اپنا لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو واقعی مخلص ہوتے ہیں اور حق کی تلاش میں قرآن، حدیث اور علمائے سابقین کی کتابوں سے حق کو تلاش کر لیتے ہیں۔ اچھی کتاب ایک اچھے استاد کا کردار ادا کرتی ہے اور اس طرح کافی محنت اور مشقت سے ان مخلصین کی کافی حد تک اصلاح ہو جاتی ہے۔

۸۔ ایک گروہ مفاد پرستوں کا ہوتا ہے۔ وہ قرآن اور حدیث کو اپنی مرضی سے چلانا چاہتے ہیں۔ قرآن اور حدیث کے اذکار مسنونہ سے ان کی دنیا تو بن جاتی ہے دل کے کالے ہی رہتے ہیں۔

۹۔ ایک گروہ انگریزی دان پڑھے لکھے جہلا کا بھی ہے جو ہزار ذکر کے باوجود دل کے کالے ہی رہتے ہیں۔

قرآن اور حدیث سے اکتساب فیض کا صحیح راستہ یہ ہے کہ کسی قابل استاد سے قرآن اور حدیث اور اچھی کتابیں سبقاً پڑھی جائیں۔ چند سال کی محنت سے حق آشکار ہو جاتا ہے۔ اگر استاد نہ مل سکے اور انسان صرف اُردو ترجموں کا ہی محتاج ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ایسے اذکار اپنائے جن پر خود نبی ﷺ کا ذاتی عمل تھا۔ مثلاً ہر نماز کے بعد آپؐ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس دعا کی تعلیم کی: رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ. ''اے میرے ربّ! مجھے اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی بہترین عبادت کی توفیق عطا کر''۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اذکار مسنونہ ہیں جن کی پابندی سے انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ البتہ تجربہ کار لوگوں کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانا مفید رہتا ہے۔ اسی طرح اہل علم و تقویٰ اور ذاکر حضرات کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر اگر قرآن اور حدیث کی روشنی میں ذکر کیا جائے تو مفید ہو سکتا ہے۔ البتہ نیت کی خرابی اور دل کے مرض کی وجہ سے کوئی محروم رہتا ہے تو اس میں قرآن، حدیث اور صالحین کے فیض کا کوئی قصور نہیں۔ اپنے نقص پر خود اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے۔

ذکر کے اوقات

وقت کی پابندی

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے وقت ایک قیمتی نعمت ہے۔ کائنات کا سارا نظام وقت کی بندشوں میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے۔ سورج، چاند، تاروں کی گردش وقت کے ضابطوں کی پابند ہے۔ خود انسانی زندگی کا غیر شعوری حصہ بھی وقت کا پابند ہے۔ صحیح مسلمان وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی میں وقت کی پابندی کرے۔ ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز اور عصر کے وقت عصر کی نماز پڑھے۔ دنیاوی کاروبار میں بھی وقت کی پابندی ایک ضروری شعار ہے۔ وقت کی پابندی نہ کی جائے تو ریلوے ٹرین اور ہوائی جہاز کے سفر سے مسافر محروم رہ جاتے ہیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ انسان ہی کو اچھے اور مقرر وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ذکر کے جو بھی معمولات بن جائیں خواہ فرض ہوں یا نفل ان سب میں وقت کی پابندی فائدہ دیتی ہے۔ قضا اذکار بس کاروائی کی حد تک ہوتے ہیں۔ بے وقت کی راگنی ضائع جاتی ہے۔ کامیاب زندگی کا راز وقت کی پابندی میں مضمر ہے۔ ذکر کے لیے بھی جو وقت مقرر کیا جائے اس کی پابندی کی جانی چاہیے۔

دائم ذکر

ارشاد خداوندی ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ

(۱۰۳۔ النساء۔۴)

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

(۱۹۱۔ آل عمران۔۳)

ہوش مند لوگ وہ ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

انسان کی عملی زندگی میں تین حالتیں ہی ہوتی ہیں۔ کھڑا ہونا، بیٹھنا اور لیٹنا۔ ان تینوں حالتوں میں ذکر کا مطلب یہ ہوا کہ ہر گھڑی، ہر حال میں ذکر الٰہی کرنا چاہیے۔ دائم ذکر کی بہت تفصیلات ہیں لیکن چند ضروری حالتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(الف) دائم ذکر کی ایک حالت یہ ہے کہ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھ لیا جائے۔ ہر کام کی مسنون دعائیں یاد کر لی جائیں اور انہیں ہر تبدیل شدہ حالت میں پڑھنا چاہیے۔ مثلاً کھانے کی دعا، سونے کی دعا، نیا لباس پہننے کی دعا۔ یہ تمام دعائیں اصل میں مسنون اذکار ہیں۔ جو شروع اور آخر میں پڑھی جاتی ہیں۔

(ب) ہر مشکل میں اللہ سے رجوع کرے، ہر برائی کے وقت خدا سے ڈرے، ہر نیکی پر خدا کا شکر ادا کرے، ہر تقریر کو خدا کی حمد سے شروع کرے اور حمد پر ختم کرے، اپنی گفتگو میں خدا کے احکامات کا بار بار تذکرہ کرے، گفتگو میں قرآن کے حوالے، قرآن سے استدلال، غرض جب بھی زبان سے کوئی بات ہو تو اس کلام میں اللہ کا ذکر لازمی آئے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کی توحید اور رب الارباب ہونے کا یقین اتنا پختہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی جسم کے ہر حصے میں رچ بس جائے۔ حقوق و فرائض کی ادائیگی کرتے وقت خدائی احکامات یاد رہیں۔ رضائے الٰہی ہر کام کا مقصود ہو۔ اس طرح ذکر الٰہی ہر عبادت کا مغز بن جاتا ہے اور دنیا جہاں کے سب کام اللہ کی یاد کے ساتھ ساتھ سرانجام پاتے ہیں۔

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ.	ابنِ آدم کا ہر کلام اس پر وبال ہے مگر اس کا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا یا اللہ کا ذکر کرنا۔ (ترمذی)

اسلام ترک دنیا اور راہبانہ زندگی سے منع کرتا ہے۔ ایک کاروباری اور مزدور شخص کے

لیے چوبیس گھنٹے ذکر کرنا مشکل امر ہے۔ اس لیے مصروف انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سہولت بنادی ہے کہ ایک شخص عشا کی نماز پڑھتا ہے اور عشا کے بعد ذکر کر کے سوجاتا ہے۔ اور سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد مسنون دعائیں پڑھتا ہے تو ایسے شخص کو رات سونے اور جاگنے دونوں حالتوں میں اجر ملے گا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ وَاِلَّا کَانَتَا لَهٗ.

پس جب تم میں سے کوئی وتر کی نماز پڑھ لے تو پھر دو رکعتیں پڑھے۔ اگر رات کو اُٹھ کر عبادت کرے تو بہتر ورنہ یہ دو رکعتیں ہی اس کی رات کی عبادت شمار ہو جائیں گی۔ (ترمذی)

ایک شخص زبان سے ذکر نہیں کر رہا لیکن اس وقت وہ ضروری فرائض میں منہمک ہے۔ فرائض کی ادائیگی غفلت نہیں عبادت شمار کی جائے گی۔ اس لیے دین پر خود عمل کر کے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا حالت ذکر اور عبادت ہی میں مصروف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کس شخص کا صدقہ ثواب کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

اس شخص کا خرچ کرنا جو تنگ دست ہو اور اپنے صدقے کی ابتدا ان لوگوں سے کر جن کی کفالت تمہارے ذمہ ہے۔ (ابوداوٴد)

رطب اللسان

ہر وقت زبان کا اللہ کے نام سے تر رہنا بھی دائم ذکر ہی کا حصہ ہے۔

عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون

سا انسان بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

طُوبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَاوَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ. (ترمذی)

جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل نیک ہوں اس کے لیے خوشخبری ہے۔ اعرابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

ایک انسان اگر گفتگو کر رہا ہو یا کسی مضمون پر سوچ بچار کر رہا ہو یا مریضوں کے علاج معالجے اور خدمت خلق کے ایسے کاموں میں مصروف ہو جن میں زبان کا استعمال ہوتا ہے تو وہ شخص فارغ ہونے تک کوئی ذکر نہیں کر سکتا اگر وقفوں میں کرے بھی تو بے ربط ہوگا۔ ایسا شخص ذکر کے لیے فراغت کا انتظار کرے گا۔ لیکن ایک دوسرا شخص ہے جو ایسا کاروبار کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ مصروف ہیں اور زبان ذکر کے لیے فارغ ہے۔ ایسا شخص کاروبار کے ساتھ ساتھ زبان، دل، سانس غرضیکہ ہر طرح سے ذکر کر سکتا ہے۔ مثلاً بڑھئی، دھوبی، پہلوان، کھیت مزدور وغیرہ۔ ایسے لوگ اگر چاہیں تو چوبیس گھنٹے ماسوائے سونے کے ان کی زبان ہر لمحہ ذکر الٰہی سے تر رہ سکتی ہے۔ ایسے حالات میں یہ فقرہ سچا ثابت ہو سکتا ہے کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' کیونکہ کام تو صرف ہاتھ اور پاؤں کر رہے ہیں۔ زبان، دل، سانس، دماغ سب ذکر الٰہی میں مصروف رہ سکتے ہیں۔ مخصوص اسمائے حسنٰی کے ذکر سے ہٹ کر عام گفتگو میں بار بار اللہ کا نام لینا بھی ذکر ہی میں شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وَنُطْقِیْ ذِکْرًا. (مشکوٰۃ) اور میری گفتگو ذکر کی گفتگو ہو۔ درس قرآن، تعلیم و تربیت کا لیکچر اور ایسی نصیحت کی باتیں جو ایک اہل علم و تقویٰ کر رہا ہو تو یہ بھی ذکر میں شمار کیا جائے گا۔ اللہ والے خدا کی یاد میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ وہ شریعت کی صراطِ مستقیم سے ایک قدم بھی نہیں ہٹتے اور ہر وقت فرائض و حقوق کی ادائیگی میں

لگے رہتے ہیں اور زبان پر بار بار اللہ کا نام آجاتا ہے۔ بعض لوگ دائم ذکر کے لیے کاروبار چھوڑ کر فرصت نکال کر اللہ اللہ کرنے کو ہی نیکی خیال کرتے ہیں، بھیک مانگ کر یا نذر نیاز پر گزارہ کرتے ہیں، ایسے لوگ غلطی پر ہیں۔ حقوق و فرائض کی فہرست خود اللہ تعالیٰ نے تجویز کی ہے۔ رزق حلال، تبلیغ، جہاد اور اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنا فرائض میں شامل ہے۔ اس لیے جو شخص بھرپور مصروف زندگی گزارتا ہے اور شریعت حقہ کے تجویز کردہ فرائض و سنن ادا کرتا ہے وہ بھی اسی طرح کا دائم ذاکر ہے جس طرح کا گوشہ نشین ذکر کرتا ہے۔ جب انسان مکمل اسلام کے خاکے میں رزق حلال کو مناسب مقام دے گا تو یہ رزق حلال کے لیے بھاگ دوڑ سب ذکر و صدقہ ہی بن جائے گی۔ اس لیے کسی کام کے آغاز میں بسم اللہ اور اختتام پر الحمد للہ کہنا اس سارے کام کو اللہ کے ذکر کی فہرست میں لے آتا ہے۔ جس کے ذہن میں اللہ کا خیال رہے گا، اس کے کام کے دوران بھی لفظ اللہ مختلف حوالوں سے آتا رہے گا۔ یہ استغراق بھی دائم ذکر ہی ہے۔

کثرتِ ذکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾
(۴۱۔ الاحزاب۔ ۳۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾
(۴۱۔ آل عمران۔ ۳)

اور اپنے ربّ کو کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾
(۱۰۔ الجمعہ۔ ۶۲)

پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ شاید کہ تمھیں کامیابی نصیب ہوجائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کو نصیحت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُهْجُرِی الْمَعَاصِیَ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْهِجْرَةِ وَحَافِظِی عَلَی الْفَرَائِضِ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْجِهَادِ وَاَكْثِرِیْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّكِ لَاتَاتِیْنَ اللّٰهَ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهٖ.

(طبرانی)

اللہ کی نافرمانی نہ کرو یہ افضل ترین ہجرت ہے۔ فرائض کی نگہداشت رکھو، یہ افضل ترین جہاد ہے۔ کثرت سے اللہ کو یاد کرو تم اللہ کے پاس ذکر کی کثرت سے بہتر کوئی شے بھی لے کر حاضر نہیں ہوگی۔ اللہ کے ذکر کی کثرت اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اٰمُرُكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ كَثِیْرًا

(ترمذی، ابن عباس)

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

ان سب آیات اور احادیث پر کسی حاشیے کی ضرورت نہیں۔ کثرت ذکر کا واضح حکم دیا گیا ہے اور ذکر کی یہ کثرت نماز اور قرآن کے علاوہ ہے۔ کسی کلمے کو بار بار دہرانا یاد کرنے اور کرانے کے لیے ضروری ہے۔ جب اللہ کا ذکر بار بار کیا جائے گا تو اللہ کی کبریائی، عظمت اور الوہیت دل میں گہری ہوتی جائے گی۔ دائم ذکر کثرت ذکر ہی کا حصہ ہے۔

بعض لوگ گن کر اور بعض لوگ بغیر گنے کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ قرآن نے گنتی کا کہیں ذکر نہیں کیا، احادیث میں گنتی کا ذکر آیا ہے۔ نماز کے بعد تسبیح ۳۳ دفعہ اور تحمید ۳۳ دفعہ اور تکبیر ۳۴ دفعہ تو ایک مشہور حدیث ہے۔ (ابو ہریرہؓ۔ بخاری) سو دفعہ کی روایت بھی ملتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.

(بخاری ومسلم)

جو کوئی سو بار ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کہے گا اس کے سب گناہ معاف کیے جائیں گے خواہ وہ دریا کی جھاگ کی مانند ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَاَتُوبُ اِلَیہِ فِی الیَومِ اَکثَرَمِن سَبعِینَ مَرَّۃً. میں ایک دن میں ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(بخاری)

ان احادیث کو سامنے رکھ کر لوگوں نے سو دانوں کی تسبیح بنالی ہے۔

فرائض کی حد تک تو بات طے شدہ ہے کہ نماز کی رکعتیں اتنی فرض ہیں اور اتنی سنت اور نفل، زکوٰۃ کی مقدار بھی مقرر ہے، حج کے دن بھی طے شدہ ہیں لیکن نوافل اور مستحبات کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ ایک شخص ایک دفعہ درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اب اگر وہ زیادہ یعنی دس دفعہ یا سو دفعہ پڑھتا ہے تو یہ مقدار بھی سنت نبویؐ کے مطابق ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ نفل کا درجہ رکھتی ہے۔ جو جتنی کثرت کرے گا اس کا فائدہ اس کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی تعداد مقرر نہیں کی اس لیے انسان کو گنتی سے آزاد کر دیا۔ اب اگر کوئی گنتی کے چکر میں پڑتا ہے تو گویا اللہ کی دی ہوئی آزادی کو محدود کر رہا ہے اور خود اپنے اوپر سختی کرتا ہے۔ ذکراً کثیراً کے مفہوم سے فائدہ اُٹھا کر بغیر گنتی جتنا آسانی سے ذکر کر سکے انسان کے لیے مفید ہو گا۔

خیال، سانس یا دل کی حرکت کے ساتھ پورے جذب وشوق سے جب ذکر کیا جاتا ہے تو انسان خود اپنے ماحول ہی سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ ذاکر کو مجنون کہتے ہیں۔ کثرت ذکر کے لیے آسان اسمائے حسنیٰ کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اسم ذات یا افضل ذکر یا کوئی اسم صفت لے کر کثرت کر دی جائے تو اس دنیا میں ہی اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح انسان کو سہولت ہو وہ کثرت کی حد مقرر کر سکتا ہے۔ گنتی کے چکر میں پڑنے کی بجائے وقت مقرر کرنا زیادہ مفید ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کے بعد آدھا گھنٹہ، نماز عشا کے بعد ایک گھنٹہ، ہر شخص اپنے اپنے حالات کے پیش نظر کثرت سے ذکر کر سکتا ہے۔

فراغت

فرض نماز کے اوقات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کے لیے کوئی خاص وقت مقرر

نہیں کیا۔ اسے اس کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے کہ اپنی سہولت کے پیشِ نظر جس طرح چاہے ذکر کے اوقات مقرر کر لے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝
جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ اور اپنے ربّ کی طرف راغب ہو۔

(۷۔۸۔ الم نشرح۔۹۴)

سورۃ المزمل میں فرصت اور فراغت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝
درحقیقت رات کو اُٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

(۶۔ المزمل۔۷۳)

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝
دن کے وقت تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔

(۷۔ المزمل۔۷۳)

عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ
اللہ کو معلوم ہے کہ تم وقت کا صحیح احاطہ (شمار) نہیں کر سکتے۔

(۲۰۔ المزمل۔۷۳)

عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ
اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ مریض ہوں گے۔

(۲۰۔ المزمل۔۷۳)

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ
کچھ دوسرے زمین میں سفر کر رہے ہیں۔

(۲۰۔ المزمل۔۷۳)

يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ
اور اللہ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرتے ہیں۔

(۲۰۔ المزمل۔۷۳)

وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔

(۲۰۔ المزمل۔۷۳)

یہ سب مصروفیاتِ زندگی دینِ حق کا حصہ ہیں۔ان ضروری فرائض و واجبات سے فارغ ہوکر فرصت کے لمحات میں اللہ کو یاد کرلیا کرو۔سمجھدار لوگ فرائض وحقوق کے ساتھ ساتھ ذکر کی بھی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔سورہ مزمل کا تو مشورہ یہ ہے کہ دن کی مصروفیات اور تھکاوٹوں کے بعد رات کے اوّل حصہ میں آرام کرلیا جائے اور آخر شب میں ذکر کیا جائے۔اگر کوئی شخص دن کے وقت فارغ ہوسکتا ہے اور ذکر کے لیے وقت نکال سکتا ہے تو اسے ایسا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ نوافل میں پابندی اس لیے نہیں ہے کہ ہر انسان کے حالات دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ زیرِ بحث سورہ مزمل میں رات کے ذکر کی وجوہات اور فوائد بھی بتادیئے گئے ہیں۔ ہر انسان اپنے صواب دیدی اختیارات کو استعمال کرکے وقت نکال سکتا ہے۔واضح رہے کہ قرآن نے مصروفیات اور فراغت کا جو مضمون بیان کیا ہے تو یہ دائم ذکر کے خلاف نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے سارا دن بھاگ دوڑ کرتے ہیں وہ بھی عبادت ہی میں شمار ہوگا۔اس حکم سے ایک اور بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سارا دن صرف ذکرالٰہی کرتے رہنا اور رزق حلال نہ کمانا بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔رزق حلال بھی کماؤ اور ذکر بھی کرو۔مشہور پنجابی محاورہ ہے ’’ہتھ کار وَل، دِل یار وَل‘‘ یعنی ہاتھوں سے کام کرو دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ البتہ فرصت کے لمحات میں یک سوئی زیادہ ہوتی ہے اس لیے تھوڑا ذکر بھی بہت سارا فائدہ دے جاتا ہے۔

ذکر کے اثرات

اصلاحِ اعمال

ذکر سے انسان کے کردار اور عمل میں بڑی ٹھوس اصلاح ہوتی ہے۔ مسلمان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ یادالٰہی میں مصروف شخص کے پاس فالتو وقت نہیں ہوتا کہ فضول باتوں اور فضول کاموں میں ضائع کر سکے۔ معمولات زندگی میں ایک نظم و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انہماک اس قدر ہو جاتا ہے کہ کھانا کھانے کے لیے بھی وقت نہیں ملتا۔ استغراق ارد گرد کے ماحول سے غافل کر دیتا ہے۔ ضروریات زندگی کے مطالبات بڑے زوردار ہوتے ہیں۔ اس لیے کاروبار سے فرصت کے اوقات بعض اوقات مصروفیات دنیا ہی میں گزر جاتے ہیں۔ جس طرح ایک اینٹ دوسری کی مدد کرتی ہے اور دیوار مضبوط بن جاتی ہے اسی طرح ذکر اوصافِ حمیدہ اور اصلاح اعمال میں بڑی مدد کرتا ہے۔ جب قرآن کی تلاوت اور اس کے معانی اور تفسیر پر غور و خوض کیا جاتا ہے تو انسان کو ہدایت اور زندہ رہنے کا سلیقہ ملتا ہے۔ نیکی و بدی کی پہچان ہوتی ہے۔ گزشتہ اقوام کے واقعات پڑھ کر نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ — بے شک نماز بے حیائی اور گناہوں سے روکتی ہے۔

(۴۵۔العنکبوت۔۲۹)

اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف شخص کی توجہ بھی باری تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہے اور حاضر ناظر اللہ کا تصور نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور بہت سے وہ کام جو عام حالات میں رہ جاتے ہیں تھوڑی سی توجہ سے ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی محبت انسانوں کی خدمت پر اُبھارتی ہے۔ رضائے الٰہی کا نصب العین اور زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ انسان صالحین کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے۔ ذکر اصلاح کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

اللہ بھی یاد کرتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاذْكُرُونِيْٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾

(۱۵۲۔البقرہ۔۲)

پس میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکرادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَامَعَ عَبْدِىْ مَاذَكَرَنِىْ وَتَحَرَّكَتْ بِىْ شَفَتَاهُ.

(ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے لیے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے گمان سے بھی زیادہ قریب ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔

وَاَنَامَعَهُ اِذَاذَكَرَنِىْ فَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِىْ نَفْسِىْ وَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِىْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ

(بخاری)

اور جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے بہتر جماعت (فرشتوں کی جماعت) میں یاد کرتا ہوں۔

اطمینانِ قلب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ۭ

(۲۸۔الرعد۔۱۳)

ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کو یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔خبردار رہو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَایَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ

کوئی قوم ذکر کے لیے نہیں بیٹھتی مگران کو فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ ان کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ ان پر سکون نازل کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے قریب ہیں۔ (مسلم)

پریشانی اور سکون دو متضاد کیفیات ہیں، جو ہر وقت انسان کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ پریشانیاں کچھ عارضی ہوتی ہیں اور کچھ مستقل۔ کچھ مصیبتیں اپنی غلطیوں سے آتی ہیں اور کچھ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے، کچھ پریشانیاں دشمنوں کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ پریشان حال شخص ذہنی مریض بن جاتا ہے اور اس کی جسمانی صحت بھی کمزور ہوجاتی ہے۔ قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں اور کارکردگی ماند پڑ جاتی ہے۔ سستی، کاہلی اور مایوسیوں کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ اللہ سے تعلق رکھنے والے راست باز لوگوں کی مشکلات اور پریشانیاں عام لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں کے دلوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے جس کی وجہ سے مصائب ومشکلات ان کو پریشان نہیں کرتیں۔ اعتصام باللہ سے ایک آسرا مل جاتا ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میری مدد کرے گا اور میں اس مشکل سے نکل جاؤں گا۔ مومن صالح کے سر سے پریشانی ہوا کی طرح گزر جاتی ہے اور بعض اوقات تو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ آیا کوئی پریشانی آئی بھی تھی کہ نہیں۔ جب کوئی مصیبت حملہ آور ہوتی ہے تو یادالٰہی میں مصروف شخص کو صبر اور ثبات کی فوری توفیق مل جاتی ہے اور انسان کی قوت مدافعت فوراً حرکت میں آجاتی ہے۔ یہ یقین کہ مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے اور بھی مصیبت کو ہلکا کر دیتا ہے۔ اللہ ہمارا آقا ہے، دوست ہے، سرپرست ہے، اس نے اپنے تقدیری قانون کے ذریعے ہمیں ایک مصیبت بھیج دی ہے تو اچھا ہی کیا ہے۔ جب مصیبت ایک دوست کی طرف سے آتی ہے تو اسے خندہ پریشانی سے وصول کرنا دوست کا فرض ہے۔ اس جذبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خاص فضل فرماتا ہے اور مصیبت و پریشانی سکون میں

بدل جاتی ہے۔ جذباتی ہیجان اطمینان میں بدل جاتا ہے۔ مصیبتوں پر گلہ شکوہ کرنے کی بجائے جب اللہ کا ہر حال میں شکر ادا کیا جاتا ہے تو ذہنی دباؤ کم ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور زیادہ ذکر کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان ہر مصیبت پر جب استغفار کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرتا ہے تو سکون قلب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مشکل وقت اور مصیبت کی گھڑی میں ذکر، استغفار اور توبہ و انابت انسانی جذبات کو ٹھہراؤ عطا کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہمیں ملتی ہے۔ آگ جل رہی ہے، منجنیق میں پڑے ہوئے ہیں۔ چند لمحات میں آگ جلا کر راکھ کر دے گی لیکن تکلیف دہ موت کو اتنا قریب دیکھ کر یاد الٰہی میں مصروف خلیل اللہ کا دل بالکل پرسکون ہے۔ کوئی گھبراہٹ اور بے صبری کا اظہار نہیں حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام کو بھی کہہ دیا کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ تعلق باللہ و اطمینان ہے جو اس یقین سے پیدا ہوتا ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے اور اس کے حکم کے بغیر آگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی اور اگر موت اللہ کے حکم سے ہی آ رہی ہے تو بصد شکر قبول ہے۔ جس اللہ کی راہ کے مسافر نے صبر، توفیق اور نصرت الٰہی کو دیکھا ہوا ہو اس کے لیے مصیبت سے ہلکی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

غزوۂ احد میں مسلمان فوج کو شکست ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر گڑھے میں گر گئے۔ ۷۰ صحابہؓ شہید ہو گئے۔ اتنا بڑا صدمہ دیکھ کر بھی اللہ کے دوست کے دل میں اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ یہی وہ اطمینان ہے جو کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔ ۷۲ ساتھی شہید یا زخمی ہو چکے ہیں۔ تن تنہا ظہر سے عصر تک جنگ لڑ رہے ہیں۔ جسم پر ۶۰ سے زیادہ زخم ہیں لیکن تلوار کے قبضے پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑتی۔ بڑے سکون سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ اطمینان، یہ سکون، یہ دل جمعی صرف عقیدے، تعلق باللہ اور یاد الٰہی میں مصروف رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایمان ایک گھٹنے اور بڑھنے والی کیفیت ہے۔ غفلت سے ایمان کمزور ہوتا ہے اور یاد الٰہی سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ روز روٹی کھانی پڑتی ہے اور آٹھ گھنٹے کے بعد دوبارہ بھوک لگ جاتی ہے، کمزوری ہو جاتی ہے۔ جس طرح جسم کے لیے بار بار خوراک ضروری ہے اسی طرح روح کی ترقی، دل کے سکون اور ایمان کی ترقی کے لیے بار بار ذکر، نماز، تلاوت قرآن اور نیک لوگوں کی صحبت اور جہاد و تبلیغ ضروری افعال ہیں۔ جو حاضر باش ہے وہ پرسکون ہے جو سویا ہوا ہے اسے پریشانی

لاحق ہے۔ اللہ کے دوست ہمیشہ حاضر باش ہوتے ہیں۔

روشن ضمیری

ضمیر کو قرآن نے ملامت کرنے والا نفس کہا ہے جو ہر وقت انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور برائی سے روک کر نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح سے ضمیر کو قوت ملتی ہے اور گناہ اور ظلم سے ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ ذکر انسانی دل، دماغ اور اعضائے رئیسہ کو بُرے خیالات اور گناہوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کثرت ذکر سے جب دل کی سیاہی دور ہو جاتی ہے تو اس میں ایک نور یعنی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ روشن ضمیری خود اپنی رہنما بن جاتی ہے۔ علم و عرفان میں ترقی کی وجہ سے ضمیر ایک دانشمند ساتھی بن جاتا ہے اور خود انسان کے اپنے اندر ایک خیر خواہ کا وجود عقل کو فروغ دیتا ہے۔ گزشتہ تجربات اور اہل علم و تقویٰ کے اسباق کی وجہ سے کسی بات کی تہہ تک پہنچنا اور باتوں اور واقعات سے کسی مثبت نتیجے پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ماضی اور حال کے بہت سارے معاملات کو سامنے رکھ کر مستقبل کے واقعات کا صحیح تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ روشن ضمیری دراصل حکمت و دانائی ہی کا دوسرا نام ہے۔ کسی کام یا تحریک کے مستقبل کے متعلق ماضی کی روشنی میں فیصلہ کرنا ایک آسان کام بن جاتا ہے۔ روشن ضمیر کی پیشین گوئیاں اس لیے صحیح ثابت ہوتی ہیں کہ وہ حالات اور واقعات کو صحیح انداز میں پرکھتا اور نتیجہ نکالتا ہے۔ ایک اجنبی کو پہچان لینا کہ یہ فلاں شخص ہے، بڑی دانشمندی کا کام ہے۔ روشن ضمیر اپنے رفقا کے حالات سے آگاہ ہوتا ہے اس لیے اس کا ظن گمان اور قیاس اکثر ٹھیک ہی بیٹھتا ہے۔ ایک طالب علم کی کارکردگی دیکھ کر اندازہ لگانا آسان ہے کہ یہ طالب علم امتحان میں کتنے نمبر لے گا؟ اس طرح مرض اور پریشانی کو چہرے سے بھانپ لینا اور کسی کے دل کی بات کو پا لینا بھی روشن ضمیر کے لیے ایک آسان بات ہے۔ دل کی یہ روشنی کثرت سے ذکر کرنے سے آتی ہے اور اس وقت ملتی ہے جب کسی کا ذکر اللہ کے دربار میں منظور ہو جائے۔ جب تک بارگاہ الٰہی سے فضل و رحمت کی بارش نہیں ہو گی کسی کو عقل، دانشمندی اور روشن ضمیری نہیں مل سکتی۔ یہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کی عنایت، رحمت اور کرم نوازی سے ملتی ہیں۔ رزق، دولت، عزت کی طرح یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے جو کسی کو روشن

ضمیری کی نعمت مل جائے۔

اجرائے فیض

فیض کے معانی ہیں فائدہ۔ اہل ذکر کا کام ہی خدمت انسانیت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے۔ اس لیے ان کی ذات سراپا فیض ہوتی ہے۔ وہ ہر کس وناکس کو اپنی بساط کے مطابق فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں۔ کسی کو زبانی تبلیغ سے فائدہ پہنچایا، کسی کی مالی مدد کردی، کسی کی تعلیم و تربیت کر کے اصلاح احوال کردی، کسی کی روحانی اور جسمانی بیماریوں کا علاج کر دیا، کسی کو ذکر اور دعا کا طریقہ بتا دیا، غرض اس مفادات کی دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ جوں جوں ذکر میں کثرت آتی جاتی ہے قلب سے دنیا کی محبت نکلتی جاتی ہے اور اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت کا جذبہ فروغ پاتا جاتا ہے۔ شروع شروع میں اہل ذکر سے فائدے کم حاصل ہوتے ہیں ان کی خدمت اور اصلاح و تربیت پر زیادہ محنت اور خرچ آتا ہے۔ لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد اہل ذکر کے فائدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ ذاکر صاحب کرامت بن جاتا ہے اور انسانوں کو زیادہ سے زیادہ مفادات دیتا ہے۔ اسلام تو خیر خواہی کا مذہب ہے اس لیے ہر انسان کو فائدہ پہنچانا اہل علم و تقویٰ ذاکر کی اہم ذمہ داری ہے۔

ولی اللہ

ولی کے معانی ہیں دوست، آقا، سرپرست، مددگار۔ جب یہ لفظ اللہ کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے سب معانی ہی مراد ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور اس پر یقین محکم ہے کہ اللہ مسلمان کا ولی ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝

(۲۵۷۔ البقرہ۔۲)

جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ سچے مسلمان کا ولی ہے وہیں انسان بھی اللہ کا ولی ہے۔ ولی سے مراد اللہ

کا دوست لیا جائے گا۔ البتہ باپ بیٹے کا ولی ان تینوں معانی کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔ ولی کا لفظ اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

ذکر میں محبت، اخلاص اور اعتصام باللہ کے سب پہلو شامل ہوتے ہیں، اس لیے اہل ذکر اپنے پختہ عقیدے کی بنیاد پر اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ محبت کی طرح ولایت بھی دوطرفہ معاملہ ہے۔ اللہ مسلمان سے محبت کرتا ہے اور مسلمان اللہ سے محبت کرتا ہے۔ بعینہٖ ولایت بھی دوطرفہ ہے۔ اللہ مسلمان کا دوست ہے اور مسلمان اللہ کا دوست ہے۔ ایک آدمی اپنے دل میں سوچ لے کہ میں اللہ کا دوست ہوں تو ایسا سوچنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ تو بس ایک خیال اور قیاس ہے۔ اصل میں اللہ کا دوست وہ ہوتا ہے، جو اللہ کے احکامات کی پوری پوری پابندی کرتا ہے اور اس اطاعت میں محبت، اخلاص اور شوق بھی شامل کر لیتا ہے۔ جس نیت اور طلب حق کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے دوست کے طور پر پسند کر لے تو پھر ذکر کا صحیح نتیجہ نکلتا ہے۔ جو کوئی اللہ کے دوست کے مقام پر منتخب ہو کر فائز ہو گیا وہی اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہے۔ یہ انتخاب اللہ کا کام ہے جسے چاہے خاک سے اُٹھا کر سینے سے لگا لے۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

سنو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔

(۶۲۔ یونس۔۱۰)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾

اور اللہ ایمان والوں کا سرپرست ہے۔

(۶۸۔آل عمران۔۳)

جب لوگ اس زمین پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی محبت کا ذکر آسمانوں میں فرشتوں سے کرتے ہیں۔ اس باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتے ذکر کرنے والوں کو بازاروں میں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اگر ذکر کرنے والی قوم کو پالیں تو آپس میں پکار کر سب کو بلا لیتے ہیں اور اہل ذکر کو اپنے

پروں سے گھیر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے ذکر والوں کا حال پوچھتا ہے۔ فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک لمبی گفتگو کا ذکر ہے۔ اس میں سے دو جملے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

فَيَقُوْلُ فَمَايَسْئَلُوْنَ قَالُوْا يَسْئَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ	اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔
فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْغَفَرْتُ لَهُمْ	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے ان ذکر کرنے والوں کو بخش دیا۔ (بخاری)

مجذوب

ذکر کی کثرت سے استغراق پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ذکر کو مقبول فرما کر پس پردہ حقائق کا ادراک و عرفان عطا کر دے تو امرِ الٰہی کے انوار و تجلّیات کی ایک بارش ہوتی ہے۔ خواب میں بھی اور کھلی آنکھوں سے بھی جنت اور دوزخ کے نظارے نظر آتے ہیں۔ اہل بصیرت کے لیے ان تجلّیات میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اس راہ کے اسرار سے واقف ہوتے ہیں، اس لیے نئی نئی چیزیں ان کے علم میں اضافہ تو کرتی ہیں، عقل کو ماؤف نہیں کرتیں۔ ان کا ذوق ذکر اور بڑھتا ہے اور ان کے استغراق اور جذب میں بھی ایک لذت اور سرور ہوتا ہے۔

اس کے برعکس کچھ لوگ ذہنی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ انوار و تجلّیات کی بارش ان کے اعصاب اور قوت برداشت سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ حیرانی میں جذباتی اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس اعصابی تناؤ کی وجہ سے دو قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک پاگل پن کہ انسان عقل و شعور سے ہی محروم ہو جاتا ہے اور ایک معذور شخص بن جاتا ہے۔ دوسرا شخص پاگل اور معذور تو نہیں ہوتا لیکن انوار و تجلّیات میں انہماک کی وجہ سے اپنے اردگرد کے ماحول سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس استغراق اور کھو جانے کو جذب کہتے ہیں۔ بعض اوقات ایسی مدہوشی کی حالت ہوتی ہے کہ ذاکر خود اپنے ذاتی احوال سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس کو ایک حدیث میں

واضح کیا گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ — اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو یہاں تک کہ لوگ کہیں یہ مجنون شخص ہے۔ (مسند احمد)

جب دین کی خدمت، تبلیغ واشاعت اور کثرت ذکر میں انسان مصروف ہوگا اور حلال و حرام کی پابندی کرے گا تو مادی نظر رکھنے والوں کو تو وہ مجذوب اور پاگل ہی نظر آئے گا۔ یاد الٰہی کا استغراق اور اپنے ماحول سے بے گانگی لوگوں کی نگاہ میں پاگل بنا دیتی ہے، حالانکہ وہ شخص اس بستی کا سب سے عقل مند شخص ہوتا ہے۔

استغراق کی بھی ایک حد ہے اس جذب سے آگے پاگل پن ہے اس لیے اہل ذکر ایک حد سے آگے نہیں جاتے۔ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ معراج سے ہدایت ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہٰی سے آگے گئے اور اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات اور انوار وتجلیات سے نوازے گئے تو وہاں کسی قسم کی بے ہوشی، بدحواسی اور گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ بہت پرسکون اور اپنے دل کی اعلیٰ خوبیوں کے ساتھ قائم رہے۔ قرآن نے آپ کی اس حالت کی تعریف کی ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی — نگاہ نہ تو چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔

(۱۷۔ النجم۔۵۳)

ذکر کے اعلیٰ ترین انعامات میں سے ایک قرب الٰہی بھی ہے۔ اس قربت کی وجہ سے انسان اگر بدحواس نہ ہو، اپنے جذبات واحساسات پر ضبط رکھے اور حال سے بے حال نہ ہو تو اس کے مدارج میں مزید ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اگر انوار وتجلیات کو برداشت نہ کر سکے تو پھر بدحال ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی رک جاتی ہے۔ کامل مسلمان وہ ہے جو عقل وخرد اور شریعت کی حدوں کے اندر رہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا — یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔

(۲۲۹۔ البقرہ۔۲)

انتخاب

قرآن نے چار لفظ مختلف مقامات پر استعمال کیے ہیں۔

۱۔ اصطفٰی وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ج (۱۳۰۔البقرہ۔۲)

۲۔ اجتبیٰ هُوَ اجْتَبٰكُمْ ...... (۷۸۔الحج۔۲۲)

۳۔ اِخْتَرْتُ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى (۱۳۔طٰہٰ۔۲۰)

۴۔ اصطنعت وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ (۴۱۔طٰہٰ۔۲۰)

ان سب الفاظ کا ایک ہی مفہوم ہے ''چنا ہوا''۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لیے اپنے نیک بندوں میں سے کچھ کو چن لیتا ہے۔ ان کی مدد کرتا ہے، ان کو توفیق دیتا ہے اور ان سے اپنے دین کی سربلندی اور غلبہ کا کام لیتا ہے۔ یہ اللہ کی فوج کے سپاہی اور اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ یہ منتخب لوگ نبی اور رسول بھی ہوسکتے ہیں۔ رسولوں کے ساتھی اور صالح انسان بھی ہوسکتے ہیں۔ یہی کامیاب ہیں اور اللہ کے انعام یافتہ لوگ

فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

......وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور صالحین۔

(۶۹۔النساء۔۴)

اہل ذکر جب کثرت اور دوام سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور رزق حلال کے ذریعے اپنے جسم اور روح کو پاک کرتے ہیں، تزکیۂ نفس اور علم و عرفان کے ذریعے قلب و نظر کی بھی اصلاح کرتے ہیں تو ایک وقت آتا ہے کہ اللہ اپنے دوستوں کا انتخاب کر لیتا ہے۔ اللہ ان لوگوں کی محنت کو ضائع نہیں کرتا جو رضائے الٰہی کی نیت سے ذکر کرتے ہیں اور اپنے اعمال میں اخلاص و اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند کرتا ہے اور انہیں اپنے نیک بندوں کی فہرست میں شامل کر لیتا ہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝١٨ (۱۸۔المطففین۔۸۳)

ہرگز نہیں۔ بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ ٱلصَّٰلِحِينَ ۝١٩ (۱۹۔النمل۔۲۷)

اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۔

یہ اللہ کی مشیّت کے اصولوں کے تابع ہے کہ کون کب اور کس طرح منتخب ہوگا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا حسن انتخاب ہے، اس کی صوابدید ہے اور اس کا اپنا معیار ہے۔ کئی تو چند دن ذکر و عبادت کرتے ہیں اور جلدی منظور نظر بن جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ پچیس تیس سال سے ذکر کرنے کے باوجود فیض روحانی سے محروم ہیں اور نگاہِ التفات ان تک پہنچتی ہی نہیں۔ یہ عدم انتخاب کسی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہوتا کہ کسی محنت کرنے والے کا اجر ہی اللہ تعالیٰ ضائع کر دے۔ قبولیت اور محرومی کی وجہ خود ذکر کرنے والے کی نیت اور اطاعت وخلوص ہے۔ اگر سچائی اور صفائی سے ذکر کیا جائے تو اس کے قبول بارگاہ ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ دعوٰی کرنے سے انسان مقبول بارگاہ نہیں ہوتا۔ یہ خلوص عمل اور حسن عبادت ہے جو مشیّت کے اصولوں میں ضبط ہو کر مقبول بارگاہ بنتے ہیں۔ آزمائش یعنی (امتحان) کے بغیر انتخاب نہیں ہوتا۔ جو لوگ بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ٹھہرتے ہیں ان کو مزید نیک اعمال کی توفیق اور قدم قدم پر مدد حاصل ہوتی ہے۔ اُدھر انعامات کی بارش ہوتی ہے اِدھر جذبۂ شکر کے ساتھ اخلاص و اصلاح میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جوں جوں قرب زیادہ ہوتا جاتا ہے ذوق وشوق اور الفت واستغراق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ذکر و محبت کا سلسلہ تادم مرگ جاری رہتا ہے۔ یہ سلسلہ ذکر وشوق چند دنوں یا مہینوں کا نہیں ساری عمر کا مسئلہ ہے۔ ادھر رحمت نازل ہوتی ہے ادھر سر سجدے میں گر جاتا ہے کہ شکر ادا کر سکے۔ اللہ جن باصلاحیت لوگوں کو چنتا ہے ان میں درج ذیل خواص ہوتے ہیں۔ ایمان، عمل صالح، اخلاص، صحیح نیت، صبر، تقویٰ، احسان، ثابت قدمی، سخاوت، انفاق فی سبیل اللہ، مہمان نوازی، جہاد، ایثار، دوسروں کو ترجیح دینا، کثرت ذکر، توجہ، استقامت، حسن انتظار اور یک سوئی۔ جس میں جس قدر

صلاحیت اور خوبیاں زیادہ ہوں گی اسے قرب جلدی حاصل ہو جائے گا۔ اللہ کے دربار میں فیصلہ صلاحیت پر ہوتا ہے۔

سالک

سالک عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں۔ وہ مسافر جو اللہ کی رضا کے سفر پر روانہ ہے اور صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے اور توبہ واستغفار سے شروع ہو کر، اصلاح واطاعت کی منزلوں سے گزر کر، ذکر وفکر میں مصروف رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ابرار اور صالحین کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتے وقت راستے میں مختلف بس سٹاپ آتے ہیں۔ اسی طرح توبہ اور ایمان سے شروع ہونے والے اس صراط مستقیم کے سفر میں بہت سی منزلیں آتی ہیں۔ ان میں سے ایک ذکر بھی ہے۔ سالک کی نگاہ آخری منزل رضائے الٰہی پر ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنے نصب العین سے ادھر ادھر نہیں پھرتا اور دنیاوی مشاغل میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ جسے ایک وقت خاص میں ایک مقررہ راستہ طے کرنا ہو وہ رفتار کو کم نہیں کرتا اور سفر میں فضولیات اور لغو چیزوں کو داخل نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح بامقصد زندگی گزارنے والے اپنے سفر کو یک سوئی اور لگن سے طے کرتے ہیں۔ صراط مستقیم کے سفر میں قرآن، نماز، ذکر یک سوئی اور یک رنگی پیدا کرتے ہیں۔ قدم قدم پر صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ کی توفیق اور مدد ملتی ہے، دنیاوی راحتیں بھی ملتی ہیں۔ بعض اوقات دقتیں اور پریشانیاں بھی آ جاتی ہیں۔ کبھی قبض سے واسطہ پڑتا ہے اور کبھی بسط سے، کبھی علم وعرفان کی چاشنی ملتی ہے اور کبھی حزن وملال بھی آ جاتا ہے۔ یہ زندگی ایک مسلسل سفر ہے اور اس پورے سفر کے لیے اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کر دی ہے۔ کتاب اور سنت دو بڑے ذخیرے ہر لمحہ ہماری ہدایت کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ کی راہ کا مسافر وہ ہے جسے بس اللہ کا تعلق کافی ہو۔ جس کے لیے اللہ کافی ہو گیا اس کا سفر زندگی آسان ہو گیا۔ جسے اللہ یاد رکھے اسے اور کیا چاہیے۔

ادراک حقیقت

حق کا تعلق ایمان سے ہے۔ ذکر وفکر اس حق کی پہچان میں مدد کرتا ہے۔ جب انسان

کائنات کی تخلیق، مشیّت الٰہی اور تقدیر کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرتا ہے تو اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جوں جوں یہ تدبر گہرا ہوتا جاتا ہے حق واضح ہوتا جاتا ہے۔ اگر قوانین قدرت کا کسی استاد کی نگرانی میں کتابوں کی مدد سے مطالعہ کیا جائے تو ہر روز نئی نئی معلومات ملتی ہیں۔ قرآن کی تمثیل میں دانے کے کونپل بننے اور کونپل سے پودا اور پھر سٹہ اور دانے بننے کا جو طریق کار ہے اس پر تدبر کیا جائے تو علم نباتات کی سوجھ بوجھ کے ساتھ قدرت کی کارفرمائی کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی سمجھ میں آتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ط

(۲۰۔الحدید۔۵۷)

اس دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔

غور وفکر اگر صرف قوانین فطرت کی عمل داری تک ہی محدود رہے تو انسان ایک اچھا سائنس دان بن سکتا ہے۔ لیکن مسلمان سائنس سے آگے نکل جاتا ہے اور ان قوانین فطرت کے پس منظر میں کام کرنے والی حکمت، علم اور تقدیر کے مختلف پہلوؤں کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل پر بھی غور کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے مشاہدے سے توحید باری تعالیٰ کے دلائل قلب ونظر کو منور کرتے ہیں اور اللہ اور بندے کا تعلق نمایاں ہو جاتا ہے تو اللہ کی عظمت کا تصور کر کے احساس بندگی مسلمان کی گردن کو سجدے میں جھکا دیتا ہے۔ یہ اعترافِ بندگی ہی وہ پہلی سیڑھی ہے جو عروجِ انسانیت کی انتہا تک لے جاتی ہے۔ ذکر کے ساتھ فکر شعوری بندگی کو اجاگر کرتا ہے۔ ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبال)

جو حق کا سچا متلاشی ہو اس کے لیے حق کو سمجھ لینا چند منٹوں کا کام ہے۔ جس کو حق کے ادراک میں دیر لگ جائے اسی نسبت سے اس کا سفر لمبا ہو جاتا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اولیت اسی لیے ملی کہ ان کو ایمان لانے میں چند سیکنڈ لگے۔ ادراک حق ان کے لیے بہت آسان ہو گیا۔ اس کے بالمقابل حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حق شناسی میں بیس بائیس سال لگ گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد ہی ہے جو کسی کے سامنے حق کو واضح کر دے اور حقیقت پانے میں سہولت ہو جائے۔ حق کی شناسائی ایک دن کا کام نہیں۔ جوں جوں صراط مستقیم کا سفر آگے بڑھتا ہے حق کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے جاتے ہیں۔ بلکہ ہر آنے والا دن ایک نئی حقیقت کے انکشاف کا دن بن جاتا ہے۔ بغیر کسی تدبر کے کوے کی طرح ذکر کرنے سے حق کا ادراک نہیں ہوتا اس لیے ذکر کے ساتھ فکر و تدبر ضروری ہے۔

عرفان

عرفان کے لُغوی معانی ہیں پہچاننا، معرفت بھی اس سے نکلا ہے۔ حقیقت نفس الامری کے ادراک سے اگلا قدم معرفت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو واحد جان لینا کافی نہیں بلکہ بات کو آگے بڑھا کر اسلام کے اعتقادات، عبادات، احکامات و قوانین کی حکمت کا علم حاصل کرنا سعی و عمل میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ واقعات کے پس پردہ حقائق کی پہچان انسان کے طرز عمل پر گہرا اثر مرتب کرتی ہے۔ تقدیر کے کئی راز جب منکشف ہوتے ہیں تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ حالات کی حکمت، واقعات کی توجیہہ، ماضی حال اور مستقبل کے مختلف عوامل کی سوجھ بوجھ معرفتِ حق کے قریب کر دیتی ہے۔ ذکر کی کثرت فکر و تدبر اور استغراق سے امور غیب کا علم و ادراک اللہ تعالیٰ کی خاص عطا اور کرم نوازی ہے۔ جوں جوں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی معرفت ہوتی جاتی ہے ایمان کی پختگی اور عمل میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

لقا باللہ

لقا کا مطلب ہے ملاقات، ملاپ۔ اللہ تعالیٰ انسان کے قریب ہے لیکن نظروں سے

اوجھل ہے۔ ایمان، تدبر، ادراک حقیقت اور معرفت حق کے مقامات سے گزر کر ذکر کرنے والا مسلمان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر محسوس کرتا ہے۔ سمیع و بصیر خدا اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے، مصائب و آلام میں اسے صبر عطا کر رہا ہے، اسے نیک کاموں کی توفیق دے رہا ہے، ظالموں کے مقابلے میں اس کی مدد کر رہا ہے۔ غور و فکر پسِ پردہ حکمتِ بالغہ سے روشناس کراتا ہے۔ اس طرح جب بالفعل انسان اپنے اللہ کی قربت کا احساس کرتا ہے تو یہی احساس بندگی ملاقات کا وقت ہے۔ نبی اکرم ﷺ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ پر گئے اور دربار عالیہ میں ملاقات سے فیض یاب ہوئے۔ اگر کوئی حضوریٔ قلب سے نماز پڑھے تو اس کو ملاقاتِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ نماز کو معراج المومنین اسی لیے کہا گیا ہے۔ آج ہماری نماز میں کوئی حضوری اگر نہیں ہے تو اس میں قصور ہمارا ہے۔ کثرت ذکر قربت باری تعالیٰ کے احساس کو اجاگر کرتی ہے۔ شہ رگ سے نزدیک ہونے کا عقیدہ تو سب کے پاس ہے لیکن اس قربت کا شعور و ادراک صرف چند نفوس کو ہوتا ہے۔ جو خوش نصیب اس قرب سے واقف ہو جاتے ہیں تو گویا ہر وقت اللہ ہی سے ملاقات میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ جذب و استغراق بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ کسی کو اپنے اتنا قریب کر لے کہ اس سے خرق عادت واقعات کا ظہور ہو۔ جو لوگ شعور سے اللہ کے اس کرم سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

احساس قرب سے خوف، احساس بندگی اور گناہوں سے پرہیز کا سماں بن جاتا ہے۔ بعض اوقات انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ یہ انوار و تجلیات بذات خود اللہ نہیں ہوتیں بلکہ اللہ کا حکم ہوتی ہیں۔ اللہ کی مخلوق ہوتی ہیں۔ انہیں انوار کے پردے کے پیچھے ذات حق کی پہچان ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ کو انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اس لیے اللہ سے ملاقات دل اور روح سے ہی ہوتی ہے۔ آنکھ اور کان سے نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں قرآن نے بہت وضاحت کر دی ہے۔ ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾

(۱۰۳۔ الانعام۔۶)

نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

لقا باللہ عقل وشعور کی ملاقات ہے۔ اللہ کی نشانیاں فہم وادراک کو جلا دیتی ہیں اور احساس قربت ملاقات ہی کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ شہ رگ سے قریب ہے اس حقیقت کا شعوری ادراک اور دل کی گہرائی میں اتر جانا ہی ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ ملاقات عام نوعیت کی نہیں۔ ہر اہل ذکر سے اللہ تعالیٰ خود بات کرتا ہے اور یہ اپنی نوعیت کا ایک الگ واقعہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر جو ملاقات ہوئی وہ حضرت موصوف ہی کا حصہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معراج میں ملاقات ہوئی وہ بھی بس آپؐ سے مخصوص ہے۔ عام انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح ملاقات نہیں کرسکتا۔ البتہ روحانی اور قلبی ذرائع سے ملاقات کا احساس ہو ہی جاتا ہے۔ کبھی انسان خدا کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اس کی ہر خواہش قدرت کی خواہش بن جاتی ہے اور کبھی یہ قرب کوئی دوسرا رُخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس اعتصام باللہ کے لیے انسان کی محنت اور ذکر وفکر کو بہت دخل ہے لیکن اس تعلق کے واقع ہونے میں خدا کے فضل ورحمت اور کرم نوازی کو اصل اہمیت حاصل ہے۔

صوفیا نے لقا باللہ کو مقصد حیات بنالیا ہے اور وہ ساری محنت اسی نصب العین کے لیے کرتے ہیں۔ یہ قرب الٰہی ایک مخصوص چیز ہے، ہر سالک کو نہیں ملتی۔ عام لوگ اس نصب العین کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اسلام نے آسان راستہ تجویز کیا ہے کہ مقصود حیات لقا باللہ کو نہ بناؤ بلکہ رضائے الٰہی کو بناؤ۔ کیونکہ یہ ملاقات خواص کے لیے ہے۔

عام مسلمان کو چاہیے کہ وہ رضائے الٰہی کے لیے ذکر وفکر کرے اور بلند تر درجات کی فکر کو چھوڑ دے، یک سوئی سے احکامات خداوندی پر عمل کرے۔ جب اللہ چاہے گا خود آگے بڑھ کر اپنے بندے کو مقبولیت کا درجہ دے دے گا۔ اللہ کا دیدار اور حقیقی ملاقات تو آخرت ہی میں ہوگی، اس دنیا میں روحانی ملاقات ہوسکتی ہے اور وہ بھی اس وقت جب اللہ پسند فرمائے۔

بقا باللہ

بقا کا مطلب ہے باقی رہ جانا۔ اللہ کے ساتھ باقی رہ جانا اپنے اندر مختلف پہلو رکھتا ہے:

۱۔ ایک یہ کہ انسان کا جسم خاکی ہے اور اسے موت کا مزہ چکھ کر ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ باقی روح زندہ رہتی ہے وہ اللہ کے برزخ میں باقی ہے۔ اگر یہ روح پاکیزہ ہے تو اس کا مقام بھی بلند ہوگا۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ شہید کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کہا ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم شہید کو مردہ تصور نہ کریں۔ یہ بھی بقائے دوام کی ایک قسم ہے۔ اللہ کی راہ میں محنت واخلاص سے جان قربان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حیات جاوداں عطا فرماتا ہے۔ یہ بقائے دوام جسم اور روح کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور صرف روحانی بھی۔

۳۔ بقا کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ عوام الناس میں شہرت اور مقبولیت مل جاتی ہے۔ جب اللہ کسی سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کے حکم سے فرشتے اور انسان بھی اللہ کے ان دوستوں سے محبت کرتے ہیں۔ عوام الناس میں یہ شہرت اگر عرصہ دراز تک رہے تو انسان کی موت سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کے یہ دوست لوگوں کی یادوں اور دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔

۴۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ اللہ کے حسن انتخاب سے اہل ذکر کو خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کی کرم نوازی سے جو دوسخا، رحم وکرم اور محبت واحسان کی وہ خوبیاں جو باری تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود ہیں اللہ کے بندوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ. ''یعنی اپنے اخلاقیات کو اللہ کے اخلاق کے مطابق اپناؤ''۔ ایمان تقویٰ اور تزکیہ کے بعد جو انسانی اخلاق بنتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی خوبیوں ہی کا پرتو اور اتباع ہوتے ہیں۔

۵۔ پانچواں پہلو یہ ہے کہ کثرت ذکر اور نوافل سے اللہ کی قربت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ انسان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَااَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہٗ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُبِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَاوَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا ......

(بخاری)

میرا بندہ نفلوں کے ساتھ میرا قرب تلاش کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں پس جب میں اس کا دوست بن جاتا ہوں تو پھر میں اس کا کان ہوتا ہوں کہ جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں کہ جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ چلتا ہے............

ایسے مقربِ بارگارہ لوگوں کے اعمال وافعال میں شریعت کی پابندی سے ایسا کمال پیدا ہوجاتا ہے کہ انسان بذات خود امر الٰہی بن جاتا ہے۔ایسے شخص کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ تقدیر الٰہی بن جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے کشف وکرامات کا ظہور ہوتا ہے اور حکم الٰہی ہے کہ انسان کومنہ سے کوئی غلط بات نہیں نکالنی چاہیے مبادا کہ وہ پوری ہوجائے۔

٦۔ دعا کی قبولیت بھی بقاباللہ ہی کی ایک شکل ہے۔

۷۔ تزکیہ نفس کے مختلف پہلو ہم نے الگ سے کتاب میں بیان کیے ہیں۔ان میں سے ایک پہلو فنافی اللہ کا بھی ہے،جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات، ارادے،تمنائیں اور بلند وبالا منصوبے سب ختم کردے اور اللہ کی رضا پر راضی ہوکر نفع و نقصان سے بالاتر ہوجائے۔ جب سب تعلقات اللہ کے تعلقات کے لیے ختم ہوجائیں تو دنیاوی نقطہ نظر سے وہ شخص فنا اور برباد ہوجاتا ہے۔ایسے بہت سے امتحانوں، آزمائشوں اور پریشانیوں سے گزر کر جب انسان اپنی حب الٰہی اور ایمان ویقین کا ثبوت مہیا کرتا ہے تو حسن انتخاب کے اصول کے تحت اللہ تعالیٰ تزکیۂ نفس کرنے والے ذاکر کو اپنی محبت کے لیے چن لیتا ہے۔اس فنا کے بعد اس قرب الٰہی کو بھی بقاباللہ ہی کہتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِيْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَّمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً وَّمَنْ لَقِيَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِيْئَةً لَّا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَقِيْتُهٗ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً .
(مسلم)

جوکوئی ایک نیکی لائے اس کے لیے دس کے برابر ثواب ہے اوراس سے زیادہ بھی دے دیتا ہوں۔ جوکوئی برائی لائے اس کی سزا اس کی برائی کے برابر ہے یا اسے بخش دیتا ہوں۔ جو میرے قریب ایک بالشت ہو میں ایک گز بھر اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ جو میرے قریب ایک گز ہوا میں دوگز کے برابر اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر جاتا ہوں۔ جو میرے پاس زمین کے بھراؤ کے برابر گناہ لے کر آتا ہے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو میں اس سے زمین کے بھراؤ کے برابر بخشش کے ساتھ ملوں گا۔

کرامت

کرامت کے معانی ہیں عزت، احترام اور بزرگی۔ خرقِ عادت کوئی واقعہ اگر کسی نبیؑ سے وقوع پذیر ہوتو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بن جاتی تھی۔ اگر ایسا ہی کوئی خرقِ عادت واقعہ کسی نیک آدمی سے سرزد ہوجائے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف نے ملکہ بلقیس کا تخت چند لمحات میں لاکر دربار میں پیش کردیا۔ اگر یہ خرقِ عادت فعل کسی غیر مسلم سے واقع ہوتو اسے استدراج کہتے ہیں۔ جیسے ہوا میں اُڑنا، کئی میل کا فاصلہ چند منٹ میں طے کرلینا۔

معجزہ، کرامت، استدراج دکھانا خالص اللہ کا کام ہے۔ کوئی انسان اپنی مرضی سے خرقِ عادت کام نہیں کرسکتا۔ اللہ کی عطا اور اذن کے بغیر ایک پتّہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ یہ حق اللہ ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنے قوانین فطرت میں ترمیم یا کوئی تبدیلی کرے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؁

(۱۱۵۔الانعام۔٦)

تمہارے ربّ کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔ کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قانون فطرت کو روز روز تبدیل نہیں کرتا۔ کوئی غیر معمولی واقعہ ہو تو فطری قوانین میں گنجائش پیدا کرنا بھی صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے دو بانجھ عورتوں کو بڑھاپے میں بچے دیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ۔

اسی طرح آج بھی اگر اللہ چاہے تو کسی نیک بندے کی دعا قبول کر کے بانجھ عورت کو بچہ دے سکتا ہے۔ یہ سب اللہ ہی کے فیصلے اور کرم نوازیاں ہیں۔ اہل علم و تقویٰ تو صرف دعا کر سکتے ہیں قبول کرنا نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔

افسوس کہ آج کے لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے غیر معمولی واقعات کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنے پیروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اس طرح ایک دنیا کمانے کا دھندا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ لوگوں کو گمراہی میں پختہ کرنے کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ خلافِ عادت بہت سے واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بہت سے لوگ مزید گمراہی اور شرک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے انسانوں کو معبود بنا لیتے ہیں۔ خدا کا امتحان چلتا رہتا ہے اور جاہل انسان ہدایت سے مزید دور ہو جاتے ہیں۔ معجزے، کرامات اللہ تعالیٰ اس لیے دکھاتا ہے کہ لوگ توبہ کریں، اصلاح کریں اور خدا کے دین کو سربلند کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صالح علیہ السلام کی

قوم نے پہاڑ سے پیدا ہونے والی اونٹنی کا معجزہ دیکھ کر بھی اسلام قبول نہ کیا۔فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے دیکھے لیکن پھر بھی اسلام قبول نہ کیا۔آج کے جہلا بھی کرامات دیکھ کر اسلام قبول نہیں کرتے ، بلکہ اُلٹا شرک اور بدعات کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور دنیا کمانے کی ایک اور دوکان کھل جاتی ہے۔فرقہ پرستی کے آج کے ماحول نے حق کی راہ روک رکھی ہے۔اور خرق عادت واقعات سے نصیحت قبول کرنے والے اور توبہ واستغفار کرنے والے لوگوں کی شدید قلت ہے۔ جو لوگ اللہ کے دوست ہوتے ہیں جب اللہ چاہتا ہے ان کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور ہو جاتا ہے۔لیکن تمام واقعات لوگوں کی ہدایت کے لیے ہوتے ہیں۔عوام الناس کو چاہیے کہ اگر کوئی خرقِ عادت واقعہ دیکھیں تو اللہ کے آگے سربسجود ہو جائیں۔اس کا شکر ادا کریں۔

نرم دلی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾

(۲۔الانفال۔۸)

سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾

(۳۵۔الحج۔۲۲)

جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اُٹھتے ہیں۔جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (۲۳۔الزمر۔۳۹)

پھران کے جسم اوران کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

ان تینوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے دو باتیں سمجھ آتی ہیں، ایک یہ کہ اللہ کے ذکر یعنی قرآن کو پڑھ سن کر اہل ایمان کے دل لرز جاتے ہیں، ان کے ایمان اور قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور نرم دلی کے ساتھ اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔قرآن کا ہر فقرہ ان کے ایمان میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ان کا دل سخت نہیں رہتا بلکہ نرم ہو جاتا ہے۔اس میں سے انانیت، تکبر، ضد، ہٹ دھرمی جیسی نقصان دہ خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔طبیعت کی نرمی آگے چل کر عادات اور جذبات کے ٹھہراؤ کو اجاگر کر کے زندگی کو پرسکون اور نرم خو بنا دیتی ہے۔

نماز، توکل، انفاق اور ذکر کی طرف طبیعت کا مائل ہونا بذات خود ایک اہم قلبی تبدیلی ہے۔ جو زبان ذکر میں مصروف ہو، قرآن پڑھے، نماز پڑھے اس سے بدگوئی اور بدزبانی دور ہو جاتی ہے۔ ذاکر شخص گالی نہیں دیتا، لڑائی جھگڑا نہیں کرتا، میٹھا ہو جاتا ہے۔ ذکر میں مصروف دماغ میں جذباتی ہیجان اور غصہ نہیں آتا جو تلخی یا سختی آتی بھی ہے وہ صرف رضائے الٰہی کے جذبے کے تحت آتی ہے۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِاسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (بخاری)

جس نے اللہ کے لیے دوستی کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

بعض لوگ ذکر سننے اور ذکر کرنے کے باوجود دل کے سخت ہوتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان پر قرآن یا ذکر الٰہی کا کوئی اثر نہیں بعض اوقات تو حالت خالصتاً قرآن کی مندرجہ بالا آیات کے خلاف نظر آتی ہے۔ایسی حالت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ اللہ کی رضا کے لیے ذکر نہیں کرتے ، ان کا مطلوب و مقصود دنیا طلبی ہوتا ہے۔ان لوگوں کا علاج یہ ہے کہ ان کی نیت کی اصلاح کی جائے۔ان کو قیامت، حساب کتاب اور دوزخ کے واقعات پر مبنی آیات سنائی جائیں۔

انفاق فی سبیل اللہ سے بھی دل نرم ہوجاتا ہے۔ دل کی نرمی کی ایک صورت رقت ہے۔ یعنی کوئی کلام سن کر یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد میں انسان رونا شروع کردے۔ نماز کے دوران، قرآن پڑھتے ہوئے یا دعا و مناجات کے وقت رقت مفید چیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَاتُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِىُ (ترمذی)

اللہ کے ذکر کے بغیر گفتگو (کلام) نہ کیا کرو۔ اللہ کے ذکر سے خالی کلام کی کثرت دل کی سختی کے سبب سے ہے ایسے لوگ دل کی سختی کی وجہ سے اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

ذکر کی آزمائش اور اِبتلا

ابتلا و آزمائش شرط ہے اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ ذکر کے معاملے میں بھی کچھ آزمائش آتی ہے۔ اس کو نگاہ میں رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں۔

تمنا

آرزو کے صحیح اور غلط دونوں پہلو ہیں۔ امید کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔ تنخواہ مل جانے کی امید پر ہی انسان ملازمت کرتا ہے۔ گندم کی برداشت کی امید پر کسان ہل چلاتا اور کھیت میں محنت کرتا ہے۔ اس لیے امید بذات خود ایک اچھا عمل ہے۔ لیکن امید کے ساتھ جب خواہشات جمع ہو جائیں تو ایسی تمنا پیدا ہو جاتی ہے جس کے غلط ہونے کی وجہ سے حسب منشا خاطر خواہ نتائج نہیں ملتے۔ اچھی تمنا کو اگر شریعت کے دائرے میں رکھا جائے تو اس کے پورے ہونے کے امکانات موجود ہیں لیکن مطلق تمنا جو زیادہ تر خواہشات پر مبنی ہو بے کار اور لا حاصل ہے۔ اگر تمنا صرف اچھے نتائج کی خواہش کا روپ دھار لے اور انسانی سوچ فطری منصوبے کے خلاف ہو تو اس تمنا کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ ذکر سے بھی لوگ تمنائیں وابستہ کر لیتے ہیں اور ان کی خواہشات کے مطابق نتائج نہ نکلنے سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ذکر کی نیت کو ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے ذکر کرتے ہیں ان کی اس باب میں کوئی بھی تمنا نہیں ہوتی۔ دنیا میں ذکر کے فوائد کی امید پر ذکر کرنا بذات خود غلط ہے۔ ذکر کے بعد جو کچھ دنیا میں مل جائے وہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ اہل ایمان کی نگاہ آخرت کی کامیابیوں پر ہوتی ہے۔ ذکر کے اثرات کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، ان میں سے کوئی بات حاصل ہو جائے تو سراسر اللہ کا فضل ہے۔ یہ نتائج بذات خود مطلوب و مقصود نہیں ہوتے۔ ذکر کے ساتھ تمناؤں کا جوڑنا ایک غلط عمل ہے اس لیے اس امتحان سے انسان کو بچنا چاہیے۔

بسط

بسط کے معانی ہیں کشادگی، ہاتھ پھیلانا، مٹھی کو کھولنا، دراز ہونا۔ ذکر کے سلسلے میں بسط ایک پسندیدہ حالت ہے۔ ذکر میں دل لگتا ہے، یکسوئی اور توجہ حاصل ہوتی ہے۔ ذکر کرنا آسان بن جاتا ہے، سہولت اور روانی کی وجہ سے تھوڑے وقت میں مقررہ تعداد پوری ہوجاتی ہے۔ ذاکر اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتا ہے اور صراطِ مستقیم کا سفر ہلکا اور آسان محسوس ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں سلوک کی مشکل منزل طے ہوجاتی ہے۔ یہ آسانی، کشادگی دائمی نہیں ہوتی۔ چند دنوں کے بعد یہ آزمائش بن جاتی ہے اور انسان سہولت کو ذکر کی مقبولیت کی دلیل بنا کر تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اب میں مقبول بارگاہ ہوگیا ہوں۔ اس آزمائش میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ جتنی کشادگی اور سہولت ملی ہے کیا میں نے اسے صحیح استعمال کیا ہے؟ لاپرواہی، سستی اور کوتاہی کی وجہ سے یہ کشادگی ضائع بھی ہوجاتی ہے۔ عقل مند وہ ہے جو کشادگی سے فائدہ اُٹھا کر بروقت صحیح انداز میں ذکر کرتا ہے۔ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ ذکر کرتا ہے۔ بروقت اقدامات سے اپنا مستقبل ٹھیک کرلیتا ہے۔ آج کی سہولت کو کل کے لیے بھی محفوظ کرلیتا ہے۔

قبض

قبض کے معانی ہیں تنگی، مٹھی بند کرنا، پکڑنا، روکنا، مختصر کرنا، قبضہ کرنا، سمیٹنا۔

حضرت حنظلہؓ بن ربیع کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے حنظلہؓ نے کہا کہ نَافَقَ حَنۡظَلَةُ ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایسا کیوں ہے؟ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کے پاس ہوتے ہیں تو جنت اور دوزخ کے ذکر پر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

فَاِذَا خَرَجۡنَا مِنۡ عِنۡدِکَ عَافَسۡنَا الۡاَزۡوَاجَ وَالۡاَوۡلَادَ وَالضَّیۡعَاتِ نَسِیۡنَا کَثِیۡرًا
(المسلم)

اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور اپنی بیویوں، اولاد اور زمینوں اور باغوں میں مشغول ہوجاتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔

ذکر کے سلسلے میں قبض کا مطلب یہ ہے کہ مصروفیات دنیا کا یہ حال ہوتا ہے کہ ذکر کے لیے وقت ہی کم ملتا ہے، بعض اوقات کم از کم تعداد میں بھی معمولات ادا نہیں کیے جا سکتے۔ زیادہ وقت صرف کرنے کے باوجود ذکر کی مقدار تھوڑی ادا ہوتی ہے۔ سہولت کی جگہ اضطراب، کشادگی کی جگہ تنگی لے لیتی ہے۔ ذکر سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ غرض جلدی جلدی ذکر کو سمیٹ کر ضروری کاموں میں مصروف ہونے کا خیال اتنی شدت سے آتا ہے کہ یک سوئی اور توجہ منتشر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات انسان بالکل فارغ ہوتا ہے لیکن طبیعت ذکر کی طرف نہیں آتی۔ بعض اوقات انسان ذکر کر رہا ہے اور چند منٹ کا ذکر کئی گھنٹے لے جاتا ہے۔ بعض اوقات بیماریاں، مصائب، مشکلات انسان کو گھیرے میں لے لیتی ہیں اور پریشانی کی وجہ سے بھی توجہ ذکر کی طرف مبذول نہیں ہوتی دل اور روح کی ہم آہنگی غائب ہو جاتی ہے۔ چاہنے اور کوشش کے باوجود معمولات ذکر سے انسان محروم رہ جاتا ہے۔ اگر کسی شوم یا بخیل کی صحبت مل جائے تو تمام نظام ذکر ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قبض کی وجوہات میں صحبت اور رزق کو بڑا اہم مقام حاصل ہوتا ہے۔ نیک صحبت اور رزق حلال سے قبض بسط میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ، نماز، روزہ اور جہاد قبض کو دور کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ قبرستان کی زیارت اور موت کو یاد کرنے سے بھی قبض دور ہو جاتی ہے۔ نیت کا صحیح ہونا بھی قبض کو دور کر دیتا ہے۔ فرائض کے ساتھ نوافل کی ادائیگی بھی بسط کے حصول اور قبض کے خاتمے میں مدد کرتی ہے۔ انسانیت کی خدمت اور للہ فی اللہ خدمت قبض سے نجات دلا دیتی ہے۔ اہل علم و تقویٰ سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ پڑھے لکھے لوگ لفظ ''بور'' (Bore) استعمال کرتے ہیں یہ بھی قبض ہی کی ایک شکل ہے۔ جب کسی پر قبض کا دورہ ہو تو کچھ عرصے کے لیے وقفہ کر کے بسط کا انتظار کرے۔

اعمال کا ضیاع

جس طرح انسان کی عام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اسی طرح ذکر بھی ضائع ہو جاتا ہے اور کئی سالوں کی محنت غارت ہو جاتی ہے۔ کئی شخص دیکھے ہیں کہ تیس چالیس سال ذکر کرنے کے

باوجود ابوجہل کے مقام سے نہیں ہٹے۔ ذکر کے ضائع ہوجانے کی وجوہات درج ذیل ہیں۔ تفصیلات کا وقت نہیں صرف عنوان ہی بیان کردیئے جاتے ہیں۔

۱۔ ایمان کی کمی۔
۲۔ نیت کی خرابی، دنیاوی اغراض کی نیت کرنا۔
۳۔ منافقت۔
۴۔ ذکر کے اصولوں کی خلاف ورزی۔
۵۔ ذکر کے پرہیزوں اور موانعات سے لاپرواہی۔
۶۔ من مرضی کرنا یا خواہش نفس کی پیروی۔
۷۔ استقامت سے صرف نظر۔
۸۔ عدم یک سوئی۔
۹۔ ذکر کے الفاظ میں غلطیاں۔
۱۰۔ ذکر کے طریقے میں غلطیاں۔
۱۱۔ بدعات۔
۱۲۔ شریعت کی خلاف ورزیاں۔
۱۳۔ شوم کی صحبت۔
۱۴۔ ریاءالناس۔
۱۵۔ شہرت کا لالچ۔
۱۶۔ جادو (i) خود جادو کرنا۔ (ii) دوسروں کے جادو کا اثر۔
۱۷۔ عملیات (i) خود کرنا۔ (ii) دوسروں کا اثر۔
۱۸۔ خود حق اور باطل کو ملانا۔
۱۹۔ فکر و تدبر سے محرومی۔
۲۰۔ بے ربطی۔ بے ترتیبی۔ نظم کا فقدان۔
۲۱۔ شرک۔
۲۲۔ غیراللہ سے مانگنا خواہ بھیک ہو یا دعا۔

شہرت

شہرت ایک قدرتی تخلیقی جذبہ ہے۔اس کے اچھے اور بُرے دونوں پہلو ہیں۔اچھا پہلو یہ ہے کہ یہ اللہ کی عنایت اور عطا ہے۔جب مسلمان اللہ کی راہ پر چل پڑے تو وہ جلد ہی لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے۔دوست مثبت اور دشمن منفی پروپیگنڈا کر کے شہرت بڑھا دیتے ہیں۔کچھ کو اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت کے تحت مشہور کر دیتے ہیں۔جیسے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا:

وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ — اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔

(۴۔الم نشرح۔۹۴)

اسی طرح آج بھی لوگوں کو شہرت ملتی رہتی ہے۔حق پرست طالب علم بھی کسی بزرگ کی شہرت کا باعث بن جاتے ہیں۔

شہرت کا غلط پہلو یہ ہے کہ نفس پرست انسان ذاکر کا لبادہ اوڑھ کر سلوک کی راہ پر چلتا ہے اور شہرت حاصل کرنے کی دن رات کوشش کرتا ہے۔یہ ایسی خواہش ہے جو انسانی قویٰ پر غالب آ جاتی ہے۔نمایاں ہونا، انسانوں کے ہجوم کو اپنی طرف کھینچنا، ریاء الناس ایک فن کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔آج کی دنیا تو سراسر پروپیگنڈے پر انحصار کرتی ہے۔اخبار اور نشریاتی ذرائع سے چند دنوں میں شہرت مل جاتی ہے۔کئی ایک تو عملیات کے ذریعے تسخیر جذبات انسانی کی بھی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مریدوں کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔شہرت کے حصول کا یہ جذبہ خلاف شریعت ہے اور ذاکر کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔بڑے بڑے ذاکروں کی کئی سال کی محنت یہ شہرت ضائع کر دیتی ہے۔خفیہ ذکر کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے اور ذکر خفی سے سالک بہت سے فتنوں سے بچ جاتا ہے۔ذاکر کو گم نامی کی راہ اختیار کرنی چاہیے اور موجودہ دور کے پروپیگنڈے کے ذرائع سے بچنا چاہیے۔تبلیغ و تعلیم کے لیے تو یہ ذرائع استعمال کرنے جائز ہیں لیکن ذاتی شہرت کے لیے ان ذرائع سے اجتناب بہتر ہے۔شہرت کے حصول میں بنیادی جذبہ ریاء الناس ہے جو انسان کی ساری نیکیاں برباد کر دیتا ہے

اوراس میں دنیااورآخرت دونوں کاخسارہ ہے۔موجودہ سائنسی ذرائع کواسلام کی اشاعت، دین کی تبلیغ اورتوحیدورسالت کی دعوت عام کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔لوگوں کی اخلاقی اصلاح کے لیے سائنسی ذرائع ابلاغ بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔لیکن افسوس آج کے علما،صوفیا اورسیاست دان ابلاغ کے ان سائنسی ذرائع کوذاتی شہرت کے لیے استعمال کرتے ہیں جوشرعاً گناہ ہے۔

ذکر کے پرہیز

جس طرح ہر مرض کے علاج کے تین پہلو ہیں دوا، خوراک اور پرہیز۔ اسی طرح ذکر کے بھی پرہیز ضروری ہیں۔ ذیابیطس کا مریض اگر شکر نہ چھوڑے تو اس کی دوائی بے اثر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذکر کے درج ذیل پرہیز اختیار نہ کیے جائیں تو تیس سال کا ذکر بھی کوئی نتیجہ نہیں دیتا۔ اچھا ذاکر وہ ہے جو مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھے۔

گناہوں سے پرہیز

ذاکر کو کبیرہ اور صغیرہ دونوں گناہوں سے بچنا لازمی ہے۔ شام کو سوتے وقت اگر انسان اپنا ترازو خود تول لے کہ آج سارا دن میں نے کون کون سے اچھے کام کیے ہیں اور کون کون سے بُرے کام کیے ہیں تو بڑی جلدی اسے سمجھ آ جائے گی کہ اس نے کیا کھویا کیا پایا۔ ذکر اور گناہ کے تعلق کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مرید تیس سال سے ایک مرشد کی صحبت میں رہ رہا ہے۔ اس کے سامنے جب کسی دوسرے شخص کو خلافت ملتی ہے تو وہ شخص بگڑ جاتا ہے، حسد کرتا ہے، بغض سے کام لیتا ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ مجھے تیس سالہ خدمات کے عوض خلافت ملنی چاہیے۔ یہ خادم اصل میں لالچی ہے۔ کسی دنیاوی اور ذاتی لالچ کے تحت ذکر کی مجلس میں شامل ہے۔ ایسے آدمی کے لیے دنیا اور آخرت میں کوئی اجر نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهِ لَانُوَلِّیْ عَلٰی هٰذَاالْعَمَلِ اَحَداًسَأَلَهٗ وَلَااَحَداًحَرَصَ عَلَیْهِ	اللہ کی قسم! ہم اپنے امور دین میں کسی کو والی مقرر نہیں کرتے جو سوال کرے یا خواہش کرے۔

(ابوموسیٰ۔ بخاری)

ایک دوسری حدیث میں لفظ ارادہ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکماً گناہوں سے روکا ہے۔ کامیاب مسلمان ہی وہ ہے جو گناہوں

سے بچے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

(۳۱۔النساء۔۴)

اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کردیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

أَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوٰحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۭ إِنَّ رَبَّكَ وٰسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ

(۳۲۔النجم۔۵۳)

جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلم کھلا بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں الا یہ کہ کچھ قصور ان سے سرزد ہوجائے ۔بلاشبہ تیرے ربّ کا دامن مغفرت بہت وسیع ہے۔

ذاکر کو زیب نہیں دیتا کہ کسی بھی مقام پر کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرے۔اصل خرابی یہ ہے کہ لوگ ذکر کو چھانٹ کر دین سے الگ کر لیتے ہیں اور اکیلے ذکر و تسبیح میں مصروف ہوجاتے ہیں اور باقی احکامات کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ایسے لوگوں کا اگر کوئی دنیاوی مقصد ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی نیت کے اعتبار سے ان کے دنیاوی مقاصد کو پورا کردیتا ہے۔خدا کے دربار میں صرف وہی دین قبول ہوتا ہے جو مکمل ہوتا ہے اور جس میں باطل کی آمیزش نہیں ہوتی۔قرآن وضاحت کرتا ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلٰمِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

(۸۵۔آل عمران۔۳)

اور اس فرمانبرداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔

گناہ کرنا انسان کی کمزوری ہے۔گناہ سرزد ہوجاتا ہے۔لیکن جان بوجھ کر گناہ کرنا اور غلطی سے ہوجانا الگ الگ اثرات رکھتے ہیں۔اللہ کی راہ کا مسافر وہ ہے جو اپنی غلطی، سستی اور گناہ

پر شرمندہ ہو اور بار بار استغفار کرے، بار بار توبہ کرے اور قدم قدم پر اصلاح کر کے ذکر کی طرف توجہ کرے۔ اللہ کی نافرمانی سے پرہیز ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہنے والے کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یہ ذکر عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ ...... وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔

ریاء الناس

انسان میں کمزوری ہے کہ وہ نمایاں ہونا چاہتا ہے اور لوگوں پر اپنی دولت، علم، سیاست، زہد، تقویٰ کا رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کا ادب کریں اور اسے بڑا تسلیم کر کے اس کے آگے جھک جائیں۔ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی زیب دیتی ہے۔ ہر وہ عمل جو لوگوں کو دکھانے اور اپنی پارسائی کا رعب ڈالنے کے لیے کیا جاتا ہے وہ اسی دنیا میں ضائع ہو جاتا ہے، وہ اللہ کے دربار تک پہنچتا ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾

پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں۔

(۴۔۶۔الماعون۔۱۰۷)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ

(احمد)

آپؐ نے فرمایا کہ جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاء کے طور پر روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاء کے طور پر صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔

ذکر کے دوران ریاء الناس کے کئی پہلو ہیں۔ لوگوں کے سامنے اپنی تہجد کا ذکر کرنا، بار بار بیان کرنا کہ میں ایک لاکھ دفعہ روزانہ درود شریف پڑھتا ہوں، ہزاروں دانوں والی تسبیح پر لوگوں کے سامنے ذکر کرتے رہنا، باتیں بھی کرنا اور ہاتھ سے تسبیح کے دانے بھی گراتے جانا، لوگوں پر ظاہر کرنا کہ میری زبان آپ کے ساتھ بات کر رہی ہے اور دل اور ہاتھ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، لوگوں کے سامنے تسبیح پھیرنا اور گھر میں تسبیح کو چھوڑ دینا، بلند آواز سے اتنا ذکر کرنا کہ سارے محلّہ کو سنایا جائے، خاص طور پر تہجد کے وقت بلند آواز سے یا لاؤڈ سپیکر پر ذکر تو بہت ہی نقصان دہ ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے حلقہ ذکر میں زور زور سے ضربیں لگانا، حال اور وجد کا جعلی مظاہرہ کرنا، جعلی پیروں کا بھیس بدل کر لوگوں کو بے وقوف بنانا اور ان سب دکھاوے کے اعمال کے بعد دنیا کمانا اور خوب لوٹ کھسوٹ کرنا یہ سب منافقانہ افعال ہیں اور انسان کے حقیقی ذکر کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ دکھانے کے لیے زوردار تقریر کرنا اور جھوٹ موٹ کی کہانیاں سنا سنا کر لوگوں پر اپنے علم کا رعب ڈالنا، اپنی کرامات کا ازخود بیان کرنا، اخبارات و رسائل میں چھپنے کے لیے بے تابی کا مظاہرہ کرنا، اہل علم کی کتابوں سے مضامین چوری کر کے اپنے نام سے رسائل میں چھاپنا تا کہ لوگ لکھنے والے کو بڑا زاہد عالم خیال کریں۔ پروپیگنڈے کے اس دور نے تو بڑے بڑے زاہدوں کو ننگا کر دیا ہے۔ بہت کم ہیں جو صرف انسانوں کی ہدایت کے لیے لکھتے ہیں۔

شور و غل

اس مادہ پرست اور پروپیگنڈے کے زمانے میں لوگ اپنی ذکر کی مجالس کا اشتہار دیتے ہیں۔ دیگیں پکتی ہیں، مسندیں آراستہ ہوتی ہیں اور ایک خاص پاس ادب سے مجلس ذکر ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی ایسی مجلس میں کوئی صاحب حال اور اہل درد بھی ہو اور ہوسکتا ہے کہ کسی کو ایسی مجلس کا فائدہ پہنچ ہی جاتا ہو لیکن اپنا تجربہ یہ ہے کہ ایسی مجالس میں ذکر کم اور شور زیادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو مشتاقان طعام کی وجہ سے ایسا ہنگامہ ہوتا ہے کہ دل کبیدہ ہو جاتا ہے او جو کچھ وعظ و ذکر سے حاصل کیا ہوتا ہے اسی جگہ پر ضائع ہو جاتا ہے۔ مسجدوں میں شور سے اسی لیے منع کیا گیا ہے

کہ شور کی وجہ سے لوگوں کی تلاوت ،نماز اور ذکر خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نمازی کو سلام کرنے سے بھی اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ اس کی توجہ نماز سے خراب نہ ہو۔ درس قرآن کے وقت خاموش رہنا اس لیے ضروری ہے کہ درس قرآن کے دوران نئے آنے والے کو سلام نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی بلند آواز کی وجہ سے درس دینے والے کے تسلسل کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ درس کے دوران ساتھ والی دوکان میں اگر ٹیپ چل رہی ہو تو مجلس کو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اس لیے انسان کو خود بھی ذکر خاموشی سے کرنا چاہیے اور مجلس کے دوسرے ساتھیوں کے ذکر کے خراب کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ کافروں جیسا کام ہے کہ ادھر قرآن پڑھا جا رہا ہو اور ادھر ہم شور مچائیں۔ اس بارے میں قرآن کا حکم بہت سخت ہے۔

ارشاد ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

یہ منکرین حق کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو۔ شاید کہ اس طرح تم غالب آ جاؤ۔ ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھا کر رہیں گے اور جو بدترین حرکات یہ کرتے رہے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ انہیں دیں گے۔ (۲۶۔۲۷۔حم السجدہ۔۴۱)

فرقہ پرستی کے اس زمانے میں ایک مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر تلاوت قرآن ہو رہی ہے اور دوسری نزدیکی مسجد میں نماز باجماعت ہو رہی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ پر ذکر کی مجلس جمی ہے تو ساتھ والی میں مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر وعظ اور نعت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر کا بے جا استعمال نہ صرف مسجد کے پرسکون ماحول کو خراب کرتا ہے بلکہ محلّہ والوں کے لیے بھی دردسر بن جاتا ہے۔ حدیث میں بڑی شدت سے مسجد میں شور وغل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ذکر کی مجلس میں بھی شور سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر ذکر جلی کی مجلس ہو تو بھی ضرب آہستہ لگائیں تا کہ آپ کی

بلند آواز کی وجہ سے ساتھ والے کا نقصان نہ ہو۔ شور خواہ بس کی وجہ سے ہو یا لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے خواہ انسانوں کی وجہ سے خلاف شریعت عمل ہے۔

گنتی

کثرت ذکر کے باب میں گنتی پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں صرف توجہ دلانی ہے کہ گنتی اور حساب کتاب رکھنا ایک فطری جذبہ ہے۔ ایک کنڈکٹر ویگن میں بیٹھا بار بار نوٹ گنتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اس کے اندر نوٹ گننے سے ایک لذت پیدا ہوتی ہے۔ نوٹوں کے لمس سے انسان کے جسم میں ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح لوگ ذکر کو بھی بار بار گنتے ہیں۔ گنتی میں جو لذت ہے وہ بھی ہوائے نفس ہی کی ایک شاخ ہے۔ انسان جب ثواب کے چکر میں پڑتا ہے تو پھر وہ تلاوت، نفل، تہجد اور ذکر کا حساب رکھتا ہے اور قرض خواہوں کی طرح کھاتہ کھول کر اللہ سے مخاطب ہوتا ہے کہ میں نے اتنا کچھ کیا ہے اس لیے مجھے اتنا کچھ ملنا چاہیے۔ اللہ کی راہ میں یہ ذہنیت نامنظور ہے۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی جو تعداد مذکور ہے، وہ گیارہ، تینتیس، سو، اور ہزار (۱۰۰۰، ۱۰۰، ۳۳، ۱۱) سے زیادہ نہیں۔ بعد از نماز ذکر تو انگلی کے پوروں پر گنا جا سکتا ہے۔ اس لیے تسبیح کا استعمال حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔ سو یا ہزار دانوں کی تسبیح بدھ مت کی ایجاد ہے اور ہندوؤں، بدھوں کے ذریعے مسلمانوں میں رائج ہوئی۔ ہندی میں اسے مالا کا نام دیا گیا ہے۔ عملیات اور تعویذ گنڈے والے چلہ کش حضرات گنتی کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ کی راہ کے مسافر کثرت ذکر بغیر گنتی کے کرتے ہیں۔

غفلت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٩﴾

(۹۔ المنٰفقون۔ ۶۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔

رزق حلال کمانا فرض ہے اس لیے دوران کسب ذکر سے اصولاً خاموشی اختیار کر کے صرف اپنے آپ کو بِسۡمِ اللّٰہِ ، اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ جیسے کلمات تک محدود رکھنا چاہیے۔ البتہ اگر دوران کاروبار کچھ فراغت ملے تو ذکر اسم ذات وصفات بھی کر لینا مفید ہے۔ لیکن یہ دنیا اتنی لذیذ ہے کہ دوران کاروبار اکثر اوقات اللہ کی یاد سے غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہی گزر جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی مہمان آ جائے، شادی بیاہ کی مصروفیت ہو، کسی دعوت یا جلسے میں کام کارش ہو تو ذکر سے انسان غافل ہو جاتا ہے۔ نیند بھی غفلت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ مسلمان کا مرنا جینا چونکہ اللہ کے لیے ہے اس لیے سونا اور جاگنا بھی اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ جو شخص کچھ دعائیں پڑھ کر سوتا ہے اس کی نیند بھی عبادت ہی شمار ہوتی ہے۔ البتہ نیند کے اوقات کی باقاعدگی، تنظیم اور منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔ اگر مقررہ مقدار میں نیند پوری نہ ہو تو ذکر کے اوقات میں بھی غفلت چھا جاتی ہے۔ خاص طور پر رات کی نماز میں اور فجر کی نماز میں نیند کا غلبہ نقصان دہ ہے۔ عام نوجوان کی نیند آٹھ گھنٹے اور بڑی عمر کے لوگوں کی کم از کم نیند چار گھنٹے ہونی چاہیے۔ زیادہ نیند آئے تو خوراک کو کم کر دینا چاہیے۔ مرغن غذاؤں سے پرہیز سے بھی نیند کم ہو جاتی ہے۔

نیند کے علاوہ سوچ بچار، خیالات کی بھرمار، پریشانیاں اور ذہنی دباؤ بھی اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے۔ طولِ امل اور شیخ چلّی کے منصوبے بھی غفلت کا ذریعہ ہیں۔ غفلت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ زبان سے تو اللہ کا ذکر ہو رہا ہے لیکن قلب اور روح دونوں ذکر سے غافل ہیں۔ حکم یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ فکر بھی کیا جائے۔ فکر کا مفہوم یہ ہے کہ دماغ، خیال اور جذبات کو بھی ذکر کے ساتھ منسلک کر کے پوری توجہ اور یکسوئی سے ذکر کیا جائے۔ شیطان، شک اور تردّد بھی غفلت کے بڑے ذرائع ہیں۔ ان سب سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ دل کی سختی اور ایمان کی کمزوری بھی غفلت پیدا کرتی ہے۔ اچھی کتاب اور نیک صحبت سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ گانے اور فلمیں بھی غفلت طاری کرتی ہیں۔ ناول، ڈائجسٹ اور قصے کہانیاں بھی ذکر سے انسان کو غافل کر دیتی ہیں۔ غفلت سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ نظم الاوقات مقرر کر لیا جائے۔ اوقات کی تقسیم کی پابندی کی

بنا پر غفلت سے نجات مل جاتی ہے۔غفلت سے نکلنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی حالت بدل لے مثلاً ہوٹل میں بیٹھا گانے سن رہا ہے تو ہوٹل سے نکل کر کسی نیک آدمی کی صحبت میں چلا جائے۔

مفادات

ایک حد کے اندر دنیاوی فائدے حاصل کرنا شرعاً جائز ہے۔ بلکہ رزق حلال کو فرض کیا گیا ہے۔سفر کی سہولت کے لیے گھوڑا، گاڑی کی سہولت بھی جائز ہے، رات کو آرام کے لیے بستر، سایہ، گھر، خاندانی نظام یہ سب سہولتیں شرعاً جائز ہیں۔سوال یہ ہے کہ ان مفادات دنیا کے حصول کے ذرائع میں سے کیا ذکر بھی ایک ذریعہ ہے۔شریعت نے کاروبار اور دنیاوی سہولتیں حاصل کرنے کے لیے معاشی اور معاشرتی نظام تشکیل دے دیا ہے۔ان مفادات کے حصول کے لیے ان ذرائع کو استعمال کرنا چاہیے۔ اب ایک شخص کاروبار کر کے رزق حلال تو کماتا نہیں اس کا مطالبہ ہے کہ کوئی ایسا ذکر یا وظیفہ ہو جس کے کرنے سے اسے باافراط رزق مل جائے۔ یہ سوچ سرے سے خلافِ اسلام ہے۔حکم ربانی ہے کہ اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرنے کے لیے زمین میں بھاگ دوڑ اور کوشش کرو۔ مفادات دنیا اور ذکر کے سلسلے میں تین نکات اہم ہیں۔ایک یہ کہ ذکر کی نیت میں کوئی دنیاوی فائدہ شامل نہ ہو۔ذکر، نماز، تلاوت غرض کوئی بھی نیکی کا کام صرف اور صرف اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ ذکر کے بعد دنیاوی فائدوں کی دعا نہیں کرنی چاہیے۔اس موضوع پر بحث آگے آ رہی ہے۔تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ذاکر کو اپنا عقیدہ اور ذہن صاف کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ الفاظ کی ادائیگی، تعداد اور ذکر کے ظاہری آداب کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنا وہ انسان کے ذوق، یک سوئی، توجہ اور محبت کو دیتا ہے۔ اہل درد بغیر ذکر کے بھی ربّ کے قریب ہو جاتے ہیں۔خلوص بغیر ذکر کے بھی اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔شوق دیدار بغیر آنکھوں کے بھی دیکھ سکتا ہے۔محبت کی ملاقات میں الفاظ کم اور آنسو زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔اس لیے مفادات دنیا کو ذکر کے ساتھ نہ ملائیں۔

غیر اللہ

شرک سب سے بڑا ظلم اور گناہ ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے، اس لیے اللہ کے علاوہ کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا، اطاعت کرنا، کسی بھی دیگر مخلوق سے اس طرح محبت کرنا جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے سب شرک کے پہلو ہیں۔ اس طرح غیر اللہ کو سجدہ کرنا، غیر اللہ کی تعریف میں حد شریعت سے گزر جانا اور غیر اللہ کا بے جا ذکر کرنا بھی شرک ہے۔ ذکر، تسبیح، کبریائی اور حسن و خوبی سب کی سب اللہ کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔ بعض دوست احباب اور مقصد کے ساتھی اس لیے پیارے نہیں ہوتے کہ وہ اپنے ہیں بلکہ ان سے کی جانے والی محبت اللہ کے امر اور حکم شرع کی پابند ہوتی ہے۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ ماں باپ اور مومنوں سے پیار کرو۔ آپس کی محبت بھی اللہ کے لیے ہے، آپس کی مروت بھی اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس لیے ایک انسان جب بھی زبان پر کسی دوسرے انسان کی تعریف یا مدح کا لفظ لائے تو اسے امر الٰہی کا تابع ہونا چاہیے۔ ایک مجلس تھی اس میں بڑے قابل علما بیٹھے تھے۔ چار گھنٹے کی اس بے باکانہ مجلس میں پلاٹوں، امریکہ اور دولت کی تقسیم کے مختلف پہلوؤں اور سیاسی رہنماؤں کی بدخوئی کے سوا کچھ بھی باتیں نہ ہوئیں۔ ایسی اہل علم کی مجلس جو ذکر و نصیحت سے خالی ہو حدیث کے مطابق قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی۔ اس لیے اپنی مجلسوں میں بھی اور اپنی فرصتوں میں بھی صرف اور صرف اللہ کا ذکر کریں یا پھر حکم الٰہی کے مطابق اس کی مخلوق کے فائدے والی بات کی جائے۔

بغیر لباس کے ذکر

بغیر لباس کے بالکل برہنہ، غسل خانے میں یا رفع حاجت کے وقت یا میاں بیوی کی مباشرت کے وقت ایسی حالت کہ اس میں مرد یا عورت کا ستر کھلا ہوا ہو اللہ کا ذکر کرنا منع ہے۔ بلکہ آپس میں باتیں کرنا بھی منع ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَایَخْرُجُ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنَ عَنْ عَوْرَتِهِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ یَمْقُتُ عَلٰی ذَالِکَ

دو آدمی پاخانے کے لیے نہ نکلیں کھولنے والے دونوں اپنی شرم گاہوں کو اور باتیں کرتے ہوئے، تحقیق اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ (احمد)

مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پیشاب کررہے تھے، میں نے سلام کہا مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے وضو کیا پھر فرمایا کہ

اِنِّی کَرِهْتُ اَنْ اَذْکُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰی طُهْرٍ

میں نے براجانا کہ اللہ کا ذکر بغیر پاکیزگی کے کروں۔ (ابوداؤد)

مکہ کے کافر بیت اللہ کے طواف کے وقت کپڑے اُتار کر ننگے طواف کیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی مذمت کی ہے اور ستر کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اس لیے برہنگی کے وقت ذکر سے کلیۃً اجتناب کرنا چاہیے۔ حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کو حج کے لیے بھیجا گیا۔ ان کے سفرِ حج پر روانہ ہونے کے بعد سورۃ توبہ نازل ہوئی، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دے کر بھیجا کہ وہ حاجیوں میں اعلان کردیں کہ اللہ نے مشرکوں سے برأت کردی ہے۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں حکم درج ہے۔ اسی حج کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردیں کہ خبردار!

لَایَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِکٌ وَّلَایَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ

اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے اور کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

(بخاری)

من مرضی

اللہ کی راہ کا مسافر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے ایسا وقف انسان اپنی

مرضی کیسے کرسکتا ہے۔اس لیے ذکر کے باب میں بھی من مرضی کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔بغیر کسی سند کے کسی لفظ یا فقرے کا ذکر کرنا اور اپنی پسند کے الفاظ کو ترجیح دینا اللہ کے حکم میں مداخلت ہے۔ذکر کے الفاظ کی ادائیگی کے لیے کوئی سند ضرور ہونی چاہیے۔یعنی جو ذکر ہم کر رہے ہیں اس کا منبع کیا ہے؟ قرآن، حدیث یا سلف صالحین کے اذکار سے ہٹ کر خود اپنی مرضی کے الفاظ کی اختراع غلط اور نقصان دہ ہے۔ ایسے ذکر کا کوئی فائدہ نہ اس دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔پیری مریدی میں بہت سے اذکار ایسے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہوتی۔لوگ بس اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں کی بات سمجھ کر اس کی پابندی کرتے ہیں۔یہ نظریہ اصولی طور پر غلط ہے۔ہم آباؤ اجداد کی ان باتوں کو ماننے کے پابند ہیں، جو شریعت کے اصولوں کے تحت آتی ہیں۔

خودساختہ طریقے یا جہلاء کے اپنائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جن کی سند قوی ہے۔ذکر کے اسلوب بہت ہیں اور ان کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ بعض اوقات انسان من مرضی کا ذکر کر لیتا ہے اور بعض اوقات اسے اس کا فائدہ بھی مل جاتا ہے۔ یہ دنیاوی مفادات کا حصول آخرت کا خسارہ ہے۔اس لیے وقتی فوائد کے لیے قرآن اور سنت سے ہٹ کر چلنا نقصان دہ ہے۔

غیر مسنون اذکار

قرآن اور سنت سے ثابت اذکار اور دعاؤں کی پابندی سے سالک کی دنیا اور دین دونوں کی تعمیر و ترقی ہوتی ہے۔سنّت کی ہمہ جہت پابندی انسان کو صحیح مسلمان بناتی ہے۔لیکن افسوس صد افسوس! کہ جادو، عملیات، جن بھوت کا علم بھی خانقاہوں اور درویشوں کا وطیرہ بن چکے ہیں اور بزرگ سمجھے جانے والے لوگ اور عوام کی نگاہوں کی مقدس ہستیاں اکثر و بیشتر تعویذ گنڈے اور دم سے اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ایسے لوگ کچھ وظائف تو قرآن اور سنت سے حاصل کرتے ہیں اور کچھ خود بناتے ہیں یا بنے بنائے بزرگوں سے سیکھتے ہیں۔من مرضی اور انسانوں کے خودساختہ اس مسلک میں بہت سے اذکار قرآن اور سنت کے مطابق نہیں ہوتے۔ایسے غیر مسنون

اذکار سے پرہیز کرنا چاہیے۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّانَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذَالِكَ فَقَالَ اَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَابَاسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ

(مسلم)

جاہلیت کے زمانے میں ہم ایک منتر پڑھ کر دم کیا کرتے تھے ۔ہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا اپنا منتر مجھ کو سناؤ۔ منتر پڑھنے میں کچھ ڈر نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

بدعت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَاهٰذَامَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ

ہمارے اس دین میں جس نے نئی بات جاری کی جو اس میں سے نہیں تھی تو وہ بات مردود ہے۔

(بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاِنَّ خَيْرَالْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَالْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

پس بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور بدترین چیز وہ ہے جو نئی نکالی گئی اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(مسلم)

بدعت کے معانی ہیں نئی بات کو شروع کرنا۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے احکامات جامع ہیں اور قیامت تک کے لیے کافی ہیں۔ دنیاوی وسائل کی ترقی کی وجہ سے کچھ اصلاحات اور ترمیمات کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے لیکن یہ ترمیمات اصول میں نہیں فرع یعنی شاخوں اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً گھوڑے کی جگہ آج کار نے لے لی ہے

یا تیر کی جگہ میزائل آ گیا ہے۔ اس طرح کے مادی تغیرات سے انسان کے ایمان، عقیدے اور عبادت کے نظام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اخلاق اور عبادت کے معاملات میں جامع ہدایت میں جو بھی ترمیم کرتا ہے وہ اسلام میں سے کچھ نہ کچھ نکال کر ہی ایسا کرتا ہے۔ مثلاً ایک برتن بھرا ہوا ہے اب اگر اس میں کوئی اینٹ ڈال دی جائے تو اس اینٹ کی مقدار کے مطابق پانی برتن سے خارج ہو جائے گا۔ یہی حال عبادت اور ذکر کا ہے۔ آج کے صوفیا نے بہت سے ذکر و اشغال کے طریقے ہندو جوگیوں، بدھ بھکشوؤں اور عیسائی راہبوں سے سیکھ کر داخلِ اسلام کر دیئے ہیں۔ ان نئی ایجادات اور پرانی جہالتوں کے اضافے سے دین حق اسلام کا حلیہ بگڑ چکا ہے۔ وہ جہالت، رہبانیت اور شرک جنہیں اسلام نے مٹایا تھا آج پھر مسلمانوں میں واپس آ گئے ہیں۔ مثلاً پکی قبر بنانا، قبر پر گنبد بنانا، خلافت کی جگہ بادشاہی، ترک دنیا، تجرد، بے پردگی، ہزار دانوں کی تسبیح یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو نبی ﷺ کے زمانے میں موجود تھیں آپؐ نے ان سب باتوں کو جہالت قرار دے کر پرانے تمام مذاہب کو ختم کر کے اسلام کو غالب اور قائم کیا۔ نبی ﷺ نے تو پرانے مذاہب سب ختم کر دیئے اور پرانی تمام شریعتیں منسوخ کر دیں اور منع کر دیا کہ جو کوئی ان عیسائی، یہودیوں اور ہندوؤں کے طریقوں پر چلے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا، ہماری اُمت سے خارج ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ ان متروک اور ناپسندیدہ اشغال کو مسلمان نئی چیز سمجھ کر اپنا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ تمام باتیں جن سے نبی ﷺ نے روکا تھا اب پھر دین کا حصہ بن گئی ہیں۔ ذکر کے سلسلہ میں روز ایک نیا فقرہ سننے میں آتا ہے لوگ ایسے ایسے الفاظ کا ذکر کرتے ہیں جن کی کوئی سند قرآن اور سنت میں نہیں ملتی۔ مثلاً ایک مشہور وظیفہ ہے ''یا بدوح'' اب یہ الفاظ قرآن، حدیث، سلف صالحین سے ثابت نہیں ہیں۔ ایسے بہت سے دم ہیں، جن کا چلہ کاٹا جاتا ہے اور لوگ اس سے شفا بھی پاتے ہیں۔ یہ لوگوں نے از خود ایجاد کر لیے ہیں یا اپنے پرانے زمانے کے لوگوں سے سیکھے ہیں۔ یہ چلہ کشی قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ کسی صحابی کو حضور ﷺ نے چلہ کے لیے نہیں کہا۔ خود نبی ﷺ نے اعتکاف کے علاوہ کوئی چلہ نہیں کاٹا۔ غار حرا میں آپؐ کے جانے سے لوگ چلہ کشی کا

جواز تلاش کرتے ہیں۔ غار حرا میں قیام چالیس دن کا نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ وہاں دین ابراہیمی کے مطابق ذکر اذکار کیا کرتے تھے۔ اس وقت اسلام کی موجودہ شریعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ اس زمانے میں دین ابراہیمی کے پابند تھے۔ دین ابراہیمی کی باقیات میں سے حج، طواف کعبہ اور ذکر اذکار کی جو بھی اشکال اس وقت مکہ میں موجود تھیں ان میں سے ایک یہ تنہائی میں ذکر کرنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے وحی کے آنے کے بعد غاروں میں ذکر کرنا ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اسلام کے آنے کے بعد آپؐ نے تنہائی میں صرف دو طریقے اختیار کیے۔ ایک رات کی تہجد اور دوسرے رمضان میں اعتکاف۔ اس کے علاوہ تنہائی میں ذکر کرنے کا کوئی ثبوت سنت میں موجود نہیں ہے۔ اب اگر ایک شخص چالیس دن کا چلہ کاٹ کر ذاکر بنتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ سنت محمدی ﷺ نہیں ہے۔ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے چالیس دن کوہ طور پر ذکر کرنے کا حوالہ موجود ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقٰتُ رَبِّهٖٓ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (۱۴۲۔الاعراف۔۷)

اور ہم نے موسیٰ کو تیس شب و روز کے لیے (کوہ سینا پر) طلب کیا اور بعد میں دس دن کا اضافہ کر دیا اس طرح اس کے ربّ کی مقرر کردہ مدت پورے چالیس دن ہوگئی۔

قرآن کی اس آیت سے چالیس دن کی عبادت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شریعت یہود کا حصہ ہے۔ اللہ کی راہ کے مسلمان مسافروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ ہم پر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی لازم نہیں ہے۔ افسوس کہ جب اپنے ملک میں رائج تصوف کے نظام کا جائزہ لیا جاتا ہے تو بدعات کی بھرمار نظر آتی ہے۔ مثلاً دریا میں کھڑے ہو کر ذکر کرنا، ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ذکر کرنا، جسم کو تکلیف اور مصیبت میں ڈالنا، کسی کھوہ، بھورے اور تہہ خانے میں ذکر کرنا، گندے رہنا، سال سال بھر نہ نہانا، حجامت نہ بنوانا اور گندے کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ہندوؤں کی پرانی جہالت ہے جو مسلمان کا دین بن گئی ہے۔ ذکر کے معاملے میں خاص طور پر ان جہالتوں

اور بدعتوں سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں بہت نقصان ہوگا۔

حضرت غفیف بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ

کسی قوم نے بدعت نہیں نکالی مگر اس کی مانند سنت اُٹھالی جاتی ہے۔ سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔ (احمد)

مسنون اور غیر مسنون اذکار کا فرق

جادو، عملیات اور دیگر اشغال کو چھوڑ کر اگر صرف ذکر الٰہی کی حد تک سوچا جائے تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور غیر مسنون اذکار سے اسی دنیا میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ سنت کا پابند شخص صرف ذکر ہی نہیں تمام اعمال و افعال میں اور دنیاوی کاروبار میں ہر جگہ ہی سنت کا پابند ہوتا ہے۔ اس کی دنیاوی زندگی بھی صاف ستھری اور اخلاق و کردار سے مزین ہوتی ہے۔ خدمت خلق اس کا شعار ہوتا ہے۔ اس کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ وہ کثرت سے صرف اللہ کو یاد کرتا ہے۔ وہ دنیا میں خدا کا نائب اور آخرت میں خدا کے مقبول بندوں میں شامل ہوگا۔ اسے دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیابی حاصل ہوگی۔

اس کے برعکس خلاف سنت اذکار سے دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ وقت اور محنت کا ضیاع ہے۔ بعض اوقات غیر مسنون اذکار کی وجہ سے دم درود کا اثر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے سر میں درد ہے اس کو ایک غیر مسنون طریقے سے دم کیا، اس کا درد ختم ہو گیا، کمر درد، بخار چند اسی طرح کی اور بہت سی امراض کا بذریعہ دم علاج کیا جاتا ہے اور مریضوں کو فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسے فوائد سے متاثر ہو کر عوام کا ایک ہجوم ایسے لوگوں کو بزرگ سمجھ کر ان کو نذر نیاز اور ادب آداب پیش کرتا ہے۔ بعض لوگوں سے کرامات کا بھی ظہور ہو جاتا ہے۔ غیر مسنون اذکار کی اس اثر پذیری کی وجہ سے بعض اوقات ہماری حق کی تبلیغ بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں تو اس عمل سے فائدہ ہو رہا ہے اور آپ اسے غیر مسنون قرار دے کر ردّ کر رہے ہیں۔ لوگ

ہماری بات کونہیں مانتے اورشریعت کی خلاف ورزی میں اپنے فائدے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ غیر مسنون اذکار کے مفید ہونے کی بنیادی وجہ اللہ کی آزمائش ہے۔ جوقوم گمراہ ہونے کا قصد کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ ہونے کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کے ان طالبوں کی محنت اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اوران کی نیت کے مطابق غیر مسنون ذکر کرنے والے کو بعض اوقات ان کی محنت کا اجراس دنیا میں دے دیتا ہے۔بعض اوقات یہ غیر مسنون اذکار اللہ کے دربار میں نامنظور ہوکر واپس آجاتے ہیں اوران کی ساری محنت اسی دنیا میں ہی ضائع ہوجاتی ہے۔بعض اوقات مسنون اور غیر مسنون باتوں کوملا دیا جاتا ہے۔اثر تو مسنون ذکر کا ہوتا ہےاور لوگ سمجھتے ہیں کہ اثر غیر مسنون کا ہوا ہے۔میرا تجربہ یہ ہے کہ مسنون ذکر والا اگردم نہ کرے صرف اللہ سے دعا کرے تو مریض ٹھیک ہوجاتا ہے۔

شیطانی وساوس

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کروکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(۲۰۸۔البقرہ۔۲)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ڏ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

کہو! میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے ربّ، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کرآتا ہے جولوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہےخواہ جنوں میں سے ہو یاانسانوں میں سے۔

(۱۔٦۔الناس۔۱۱۴)

شیطان انسان کا دشمن ہے اور ہر حال میں کوشش کرتا ہے کہ انسان کو گمراہ کر کے دوزخ کا ایندھن بنا دے۔ ذکر کے سلسلے میں بھی شیطان، اس کی اولاد اور اس کے شاگردوں کے بہت سے طریقے ہیں۔ وہ جب بھی آئے گا خیر خواہ بن کر آئے گا۔ جاگتے میں آئے تو انسانی شکل میں آئے گا اور خواب میں آئے تو بزرگ بن کر آئے گا۔ وہ ذکر کے معاملے میں نئی نئی ایجادات اور بدعات کی طرف راغب کرتا ہے کشف و کرامات کے لالچ میں غیر اسلامی طریقوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ عورتوں کی صحبت اور فحاشی کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے ہر قدم پر شریعت کے حکم اور شیطانی وسوسے میں فرق کر لینا چاہیے۔

شیطانی انوار اور کرامات

سب سے بڑا دھوکا شیطان اہل ذکر کو انوار و تجلّیات اور کشف و کرامات اور کہانت و عملیات کے ذریعے دیتا ہے۔ غیب کی باتوں کے متعلق بہت سے سائلوں کے سوالات ہوتے ہیں۔ جنات اہل ذکر سے رابطہ کر کے ان کو غیبی اور کہانت کی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ کہانت پرانے زمانے سے ایک مقبولِ خلائق فن ہے۔ لوگ اسے بڑے شوق سے سیکھتے ہیں اور عوام میں کاہنوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ سب جنات اور شیطان کے شاگردوں کا عمل ہے۔ انسان مالی فوائد کے لیے جنات کو تسخیر کرتے ہیں اور اس طرح شیطان کے براہ راست کنٹرول میں آکر پیری مریدی کا ایسا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جس میں اسلام کی بہت سی حدود کو توڑا جاتا ہے۔

بعض اوقات انوار و تجلّیات کی بارش شروع ہو جاتی ہے اور شیطان اہل ذکر کو فریب دے کر گمراہ کرنا چاہتا ہے کہ آپ کا ذکر منظور ہو گیا ہے اور آپ پر انوار و تجلّیات کی بارش ہو رہی ہے۔ خواب میں بزرگ بن کر آئے گا اور جنت کی سیر کرائے گا۔ کئی واقعات میں ایسے راز کھول دے گا جسے دیکھ کر عوام اور اہل ذکر یہ گمان کرتے ہیں کہ ذکر کرنے والا ولی اللہ بن گیا ہے۔ اس طرح فریب کا ایک بہت بڑا جال ہے جس میں اپنے ملک کے اکثر ذکر کرنے والے پھنسے ہوئے

ہیں ۔امر الٰہی سے حاصل ہونے والی روشن ضمیری، کشف اور علم وعرفان میں اور شیطانی روحانیت میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔نازک مقامات پر گمراہی کے بڑے مواقع ہوتے ہیں۔

تکبّرِ زُہد

خدا سے محبت، اخلاص، تزکیہ، تقویٰ، احسان کا لازمی نتیجہ عاجزی، انکساری، احساس غلامی اور بندگی ہے۔بعض اوقات کثرت ذکر وتزکیہ سے سالک اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔بعض لوگ بھی بزرگ سمجھ کر عزت واحترام کرتے ہیں۔لمبی نماز پڑھنے والا جلدی نماز پڑھنے والے کو حقیر اور خود کو بڑا متقی تصور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بڑی تسبیح بھی تکبر میں اضافہ کا باعث بن جاتی ہے۔مجلسوں میں مسند نشینی، تقریر وعظ کا موقع ملنے پر علم وعرفان کی ڈینگیں مارنا شروع کر دیتا ہے۔مجلس میں ایسے بولتا ہے جیسے وقت کا علاّمہ بس یہی ہے۔ جہالت کے باوجود ایسی خود اعتمادی سے بات کرے گا جیسے دنیا کا سب سے بڑا عالم یہی ہے۔مجلس میں دوسروں کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے گا۔تصوف کی ایک اہم مشق ہے کہ کم بولنا، لیکن تکبر زہد کا مریض مجلس میں سب سے زیادہ بولے گا۔ پارسائی کا یہ زعم اہل ذکر کو گمراہ کر دیتا ہے اور ان کی سالہا سال کی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔تکبر سے بچنے کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔کم بولنا، کم سونا اور کم کھانا اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے توبہ واستغفار کرتے رہنا تکبر سے بچاتا ہے۔ شیطان کے مردود بارگاہ ہونے کی وجہ قرآن نے یہی بیان کی ہے۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴

پس سب (آدم کے آگے) جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کر دیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

(۳۴۔البقرہ۔۲)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ

ابلیس نے جواب دیا کہ میں اس آدم سے بہتر ہوں۔

(۷۶۔ص۔۳۸)

ایک شخص نے کثرت سے ذکر کیا، انوار وتجلّیات کا نظارہ کیا، اب وہ استکبار کر کے اپنے

آپ کو بڑا سمجھ بیٹھتا ہے۔ عاجزی میں عافیت ہے اور تکبر زہد اور استکبار میں تباہی اور بربادی ہے۔ یاد رہے کہ نیک ہونے کے باوجود خود کو گناہ گار سمجھنے والے شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ تمنائیں، خواہشات اور ریاء الناس سے تکبر کو جلا ملتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ کے دوران فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَّمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَّفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ

(بیہقی)

جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے۔ وہ اپنی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں عظیم ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتا ہے اور اپنی نظر میں عظیم ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بڑھ کر ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

رسمِ ذکر سے پرہیز

اب ذکر کرنا ایک رسم بن چکا ہے، ایک عادت اور نظام بن چکا ہے، قرآن منافقوں کی نماز پر تبصرہ کرتا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

(۱۴۲۔النساء۔۴)

اور جب یہ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اُٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

یہ بات صرف نماز پر ہی صادق نہیں آتی۔ لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں لیکن توجہ کسی اور طرف ہے، معانی سے غافل ہیں، ہاتھ میں تسبیح ہے اور ہاتھ سے دانے گر رہے ہیں اور ساتھ باتیں بھی ہو رہی ہیں، لوگ مراقبے میں بیٹھے سو رہے ہیں اور باہر بیٹھے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت صاحب بڑے مصروف ہیں۔ طول امل، تمنائیں ایک جعلی فقیر کا روپ دھار لیتی ہیں۔ مالی

مفادات کے حصول کے لیے بھی ایک ظاہری شکل بنا کر صوفیا کا لباس پہنا جاتا ہے۔ حاجی کہلانے کے لیے رسم حج ادا کی جاتی ہے۔ اس رسمی تلاوت، رسمی نماز، رسمی حج اور رسمی ذکر سے کلیۃً پرہیز لازمی ہے۔ حضوریٔ قلب، ذوق، توجہ اور استغراق سے ذکر کرنا مفید ہے۔ شریعت کی پابندی کرتے ہوئے اذکار کی ظاہری شکل کی پابندی بھی ضروری ہے لیکن ذکر کی ان اشکال کو رسم و رواج کا درجہ دینا بھی گناہ ہے۔

بددعا سے پرہیز

ظرف کے عنوان سے بددعا کرنے سے منع کیا گیا ہے جسے ہم گزشتہ ابواب میں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک خصوصی بات کرنی ہے کہ اہل ذکر کو زبان سے صرف حق بات کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کرو۔

(۷۰۔ الاحزاب۔۳۳)

ذاکر کی زبان ذکر الٰہی سے تر ہوتی ہے اس لیے اسے بددعا نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بعض اوقات پورے ہو جاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے قنوت نازلہ میں کافروں کے گھر تباہ ہونے کی دعا کی ہے۔ اس سے لوگ استدلال کرتے ہیں کہ بددعا کرنا جائز ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ پہلے مکہ میں ۱۳ سال ان کافروں کو قرآن پڑھ کر سنایا گیا، گھر گھر جا کر ہر فرد کو تبلیغ کی گئی، پھر مدینہ میں ان سے مقابلہ اور جنگیں ہوئیں، کئی سال کے مصائب کا صبر سے مقابلہ کرنے کے بعد آپ نے نماز فجر میں قنوت پڑھی۔ جب تک تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت سے کسی قوم پر حجت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک قنوت نازلہ نہیں پڑھی جا سکتی۔ دوسری گزارش ہے کہ ہم مسلمانوں میں کام کرتے ہیں اس لیے ہمیں اپنے گناہ گار بھائیوں کی اصلاح اور ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ چالیس پچاس سال کی محنت کے باوجود اگر ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تو ایسے

فاسقوں کے حق میں خدا سے انتقام کے لیے درخواست کی جاسکتی ہے۔اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ کسی سے انتقام لیتا ہے یا اسے مزید گناہوں کی مہلت دے دیتا ہے۔بعض اوقات بددعا بڑی جلدی قبول ہوجاتی ہے۔انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ میرے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اتنے زوداثر ہوں گے۔ بددعا تو ہر شخص ہی کونہیں کرنی چاہیے،البتہ اہل ذکر کی پاک زبان تزکیہ اورہجرت کے مراحل سے گزرکر ذاکر بنی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس کی کاٹ تلوار سے تیز ہوتی ہے۔بے خیالی میں منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اگر پورے ہوجائیں تو بعد میں انسان کوافسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ منہ سے کیوں نکالے۔ بزرگوں نے تاکید کی ہے کہ اگرلوگ آپ کوستائیں اور تنگ کریں تو بھی ان کی ہدایت ہی کے لیے دعا کریں،بددعا سے پرہیز کریں۔بعض اوقات بددعا فوراً قبول ہوجاتی ہے۔مثلاً محمد شاہ نے اپنی والدہ کوستایا اوراس کی والدہ اس روز روز کی پریشانی سے تنگ آگئی۔ایک دن والدہ نے کہا ''اللہ کرے تیرے سات بیٹے ہوں اوروہ تمہیں اسی طرح ستائیں جس طرح تم مجھے ستاتے ہو'' بارگاہ الٰہی میں یہ فقرہ قبول ہوگیا،اب جب عبداللہ اوراس کے بھائی اپنے باپ کوستاتے ہیں تو اسے اپنی ماں کی دعا یاد آجاتی ہے،لیکن اب اصلاح کا وقت گزرچکا ہے۔

اس واقعہ کونگاہ میں رکھ کرکسی بے دھیانی میں بھی غلط بات نہیں کرنی چاہیے۔ ہرحال میں حق کی بات کریں اورلوگوں کی ہدایت کی دعا کریں۔

معمولات ذکر

درج ذیل معمولات دارالاصلاح کے شاگردوں کو تعلیم کیے گئے، اب اس کتاب کے ساتھ انہیں عوام الناس کے فائدے کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ معمولات فرض نہیں ہیں، ہم نے بزرگوں سے سیکھے ہیں اوران کی افادیت کا ذاتی تجربہ کیا ہے۔ اگر کوئی استقامت سے ان ہدایات پر عمل کرے گا تو وہ ان شاءاللہ دائم ذکر کرنے والوں اور رطب اللسان لوگوں کی فہرست میں داخل ہوکر اللہ کا قرب حاصل کرے گا۔ ان شاء اللہ

تلاوت قرآن

سورۃ یٰسین	بعداز نماز فجر
سورۃ حٰم السجدہ	بعداز نماز ظہر
سورۃ الفتح	بعداز نماز عصر
سورۃ الواقعہ	بعداز نماز مغرب
سورۃ الملک	بعداز نماز عشا
سورۃ المزمل	بعداز نماز تہجد
سورۃ الکہف	ہر جمعہ کے دن

تفہیم القرآن

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک رکوع روزانہ

مطالعہ

ایک حدیث روزانہ

سیرت النبی ﷺ کا ایک مضمون روزانہ (اس کے لیے ''رحمۃ للعالمین''، ''سیرت سرورعالم''، ''محسن انسانیت'' اور ''رحیق المختوم'' کا مطالعہ مفید ہوگا)

دیگر دینی لٹریچر میں سے حسب فراغت مطالعہ
دینی شعور پیدا کرنے والے نیک شعراء کے چند اشعار

درود شریف

۱۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.	اے اللہ! محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر درود بھیج، جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر درود بھیجا۔ بے شک تو حمد اور اعلیٰ درجات والا ہے۔
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط (بعد از نماز عشا)	اے اللہ! تو محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل کی۔ بے شک تو حمد اور اعلیٰ درجات والا ہے۔
۲۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَامُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَامُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ (بعد از نماز فجر)	اے اللہ! ہمارے سردار اور آقا محمد ﷺ پر اور ہمارے سردار اور آقا محمد ﷺ کی آل پر کل کائنات کے ذروں کی دس کروڑ گنا تعداد کی مقدار کے برابر درود بھیج۔
۳۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ (بعد از نماز مغرب)	اللہ کی طرف سے درود پہنچے اس کے حبیب محمد ﷺ پر اور ان کی آل اور صحابہؓ پر اور ان سب پر سلامتی نازل ہو۔

ہر درود شریف کم از کم گیارہ دفعہ روزانہ پڑھنا چاہیے۔ اگر بڑھانا چاہیں تو روزانہ آہستہ آہستہ بڑھائیں اور جو نبھ سکے وہ روزانہ کا معمول بنالیں۔ روزانہ پڑھنا مفید ہے۔ ناغے سے نقصان ہوتا ہے۔ رات کی تنہائی اور صبح کی خاموشی اس ذکر کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

پناہ اور استعاذہ

۱. اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. — میں شیطان مردود کے مقابلے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۲. لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ. — اقتدار اور قوت اللہ کے سوا کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

(ابو ہریرہؓ/الترمذی)

۳. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ — اے اللہ! میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، پریشانی سے اور غم سے اور درماندگی سے اور سستی سے اور بزدلی اور کنجوسی سے اور قرضہ کے بوجھ سے اور آدمیوں کے غلبہ پانے سے۔

(انسؓ /متفق علیہ)

۴. اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ — میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ اپنی جان کی شرور اور اس کی تمام مخلوقات کے شر سے۔

۵. اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ. — اے اللہ! تو ہمارے دشمنوں کے سینوں میں اپنا اثر ڈال کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر سکیں اور ان کے شرور سے ہمیں پناہ دے۔

(ابو موسیٰؓ/مسند احمد)

۶. اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَ قُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ. — میں اللہ کے غلبے اور قدرت کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس شر سے جو میں پاتا ہوں یا جسے ملنے کا مجھے خطرہ ہے۔

(عثمانؓ بن ابو العاص/مسلم)

ذکرِ دائمی

۱۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ○ اللہ کی پاکیزگی بیان کی جاتی ہے اس کی تعریف کے ساتھ۔ اللہ جو بہت بڑا ہے ہر کمزوری نقص اور عیب سے پاک ہے۔

۲۔ اَللّٰہُ ط (اسم ذات۔اسم اعظم)

۳۔ لَااِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ ط (افضل الذکر) بعد از نماز مغرب یا جب فارغ ہوں۔

۴۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ط (بعد از نماز فجر)

۵۔ ہر وہ جملہ دائم ذکر بن سکتا ہے جس میں اسم ذات یا اسم صفات شامل ہو۔

ہر فرض نماز کے بعد ذکر

۱۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط (۱دفعہ)

۲۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ط (۳دفعہ)

۳۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ط (۲۵دفعہ)

اپنے ربّ سے میں ہر گناہ کی معافی کا طلب گار ہوں اور اس کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

۴۔ اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَایَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ. (۱بار)
(مغیرہؓ بن شعبہ/متفق علیہ)

اے اللہ! تو جو کچھ دینا چاہے اسے روک دینے والی کوئی طاقت نہیں اور جس سے تو محروم کرنا چاہے تو وہ چیز دینے والی کوئی طاقت نہیں اور تیرے مقابلے میں کسی صاحب قدرت کی قدرت کسی کام نہیں آسکتی۔

۵۔ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ .
(معاذؓ بن جبل/نسائی)

اے میرے ربّ! تو میری مدد فرما، ذکر کے سلسلہ میں، شکر کے سلسلہ میں اور تیری اچھی عبادت کے سلسلہ میں۔

۶.　سُبْحَانَ اللّٰہِ ط　(۳۳ بار)

۷.　اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ط　(۳۳ بار)

۸.　اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط　(۳۴ بار)

۹.　آیۃُ الکرسی　(ا بار)

۱۰.　لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط　(اادفعہ)

(مغیرہؓ بن شعبہ/متفق علیہ)

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اقتدار میں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام شکریے ہیں۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۱.　فَکَشَفْنَاعَنْکَ غِطَاءَ کَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ

(تین دفعہ پڑھ کر آنکھ کو دم کرلیں)

پس آج (قیامت کے دن) ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹادیا ہے اور تیری نظر بہت تیز ہوگئی ہے۔

(۲۲۔ق۔۵۰)

فرض نماز پڑھ کر سکون سے بیٹھیں۔ یہ کلمات طیبات پڑھ کر دعا کریں اور پھر باقی سنتیں ادا کر کے فارغ ہوجائیں۔ اگر کوئی جلدی کا م ہوتو سنتیں پڑھ کر بھی یہ کلمات پڑھے جاسکتے ہیں لیکن اجر کم ہوجائے گا۔

پاس انفاس

لَااِلٰہَ　سانس باہر نکالتے وقت۔

اِلَّااللّٰہُ ط　سانس اندر لے جاتے وقت۔

سونے سے پہلے

ا۔　باوضو سوئیں۔

۲۔ چاروں قل پڑھ کر سارے جسم پر دم کریں۔ (۳ بار)

۳۔ آیت الکرسی (۱ بار)

۴. اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ ؕ (حذیفہؓ / بخاری)
اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا۔

استغفار

۱۔ فرض نماز کے بعد استغفار کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

۲. سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ ؕ (عائشہؓ۔ مسند احمد)
اے اللہ! تو پاک ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری طرف پلٹتا ہوں۔

۳. لَااِلٰہَ اِلَّااَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۸۷۔الانبیاء۔۲۱)
اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

۴. اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ . (عائشہؓ۔ ترمذی)
اے اللہ! تو درگزر کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ پس مجھ سے درگزر فرما۔

۵. یَاغَفُوْرُ
اے معاف کر دینے والے۔

۶. رَبَّنَافَاغْفِرْلَنَاذُنُوْبَنَاوَ کَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَاوَتَوَفَّنَامَعَ الْاَبْرَارِ ؕ (۱۹۳۔آل عمران۔۳)
اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔

۷. رَبِّ اغْفِرْوَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُالرّٰحِمِیْنَ ؕ (۱۱۸۔المومنون۔۲۳)
اے میرے ربّ! معاف کر اور رحم فرما تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

۸. رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ

(۱۴۷۔آل عمران۔۳)

اے ہمارے ربّ! ہماری غلطیاں معاف کردے اور ہمارے کام میں تیری حدود سے جو تجاوز ہوگیا ہے اس سے درگزر فرما اور ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

رضا

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا ط

(ثوبانؓ/مسند احمد)

میں اللہ کو اپنا ربّ تسلیم کر کے اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوگیا۔

توکل

۱. وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

(۳۔الطلاق۔۶۵)

اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے پس اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

۲. حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

(۱۲۹۔التوبہ۔۹)

میرے لیے اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اسی پر میں بھروسا کرتا ہوں اور وہ بڑے عرش والا بادشاہ ہے۔

۳. اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

(۴۴۔المومن۔۴۰)

میں اپنے معاملات اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک وہ بندوں کے احوال کو دیکھ رہا ہے (خوب واقف ہے)

کفایت

۱. اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ط

(۳۶۔الزمر۔۳۹)

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

۲. اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَاشِئْتَ ط

اے اللہ !تو ان کے مقابلے میں میرے لیے جس طرح تو چاہے کافی ہو جا۔

۳. فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ط

ان کے مقابلے میں اللہ تیرے لیے کافی ہے۔

(۱۳۷۔البقرہ۔۲)

شکر

رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وٰلِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صٰلِحًا تَرْضٰهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⁽۱۹⁾

(۱۹۔النمل۔۲۷)

اے میرے ربّ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے دی ہے اور جو نعمت میرے والدین کو دی تھی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔

خاص دعائیں

صبر

رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

(۱۲۶۔الاعراف۔۷)

اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں موت آئے تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔

رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

(۲۵۰۔البقرہ۔۲)

اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر کا فیضان کر ہمارے قدم جمادے اور کافروں کی قوم پر ہمیں فتح نصیب کر۔

رَبِّ اجْعَلِ التَّوْفِيْقَ رَفِيْقَنَا وَالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ طَرِيْقَنَا ط

وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

(۱۲۸۔البقرہ۔۲)

اے میرے ربّ! تیری توفیق ہمارا ساتھ دے اور سیدھا راستہ ہمارا طریقہ بنادے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ أَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

(۱۰۱۔یوسف۔۱۲)

تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملادے۔

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

اے ربّ! ہمارے اس کام کو آسان بنا اور اسے مشکل نہ بنا اور انجام کار اس کا اچھائی ہو۔

پردہ پوشی

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا.

(ابوسعید خدریؓ۔احمد)

اے اللہ! ہمارے عیبوں کو ڈھانپ لے اور گھبراہٹوں سے امن دے۔

اللہ کی محبت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ مَالِیْ وَاَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

(ابوالدرداءؓ/ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور اس کی محبت جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی محبت میرے لیے میری اپنی جان، مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔

اَللّٰھُمَّ یَاوَدُوْدُ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ ط

اے محبت کرنے والے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں، تیرے حبیب حضرت محمد ﷺ کی محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرے اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیرے قریب کر دے۔

علم میں اضافہ

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾

(۲۵۔۲۸۔طٰہٰ۔۲۰)

اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾

(۱۱۴۔طٰہٰ۔۲۰)

اے میرے پروردگار! مجھے مزید علم عطا کر۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

(۳۲۔البقرہ۔۲)

فرشتوں نے عرض کیا، نقص سے پاک تو آپ کی ذات ہے۔ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ط

(حاوی الارواح/ حافظ ابن قیمؒ)

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی مالک ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

نیک اولاد

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

(۷۴۔الفرقان۔۲۵)

اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

(۱۰۰۔الصّٰفّٰت۔۳۷)

اے میرے پروردگار! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

اس دعا کو وظیفہ بنالیا جائے تو اٹھرا کے مرض کا علاج بھی کیا جا سکتا ہے۔نرینہ اولاد سے محروم جوڑے اگر کثرت سے پڑھیں تو اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتا ہے۔بے اولاد لوگوں کو بھی اولاد مل جاتی ہے۔اگر کوئی نیک اولاد نصیب میں نہ ہو تو بڑھاپے میں کوئی نہ کوئی نیک سہارا مل جاتا ہے۔

رزق کی کشادگی

۱۔ خیرات فی سبیل اللہ کو معمول بنائیں۔

۲۔ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد سورۃ الواقعہ کی تلاوت کریں۔

۳۔ دوکان کھولتے وقت یا گھر سے نکلتے وقت درج ذیل دعا پڑھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ.

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی پر بھروسا کرتا ہوں۔

۴۔ ہر کھانے کے بعد مندرجہ ذیل تین (۳) دعائیں ضرور پڑھیں۔

(الف) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ جَعَلَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط (ابوسعید خدریؓ/ترمذی)

تمام شکر یے اس اللہ کے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان اُمت میں پیدا کیا۔

(ب) اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَافِیْ مَارَزَقْتَنَا

اے اللہ! ہمیں اس رزق میں برکت دے جو تو نے عطا کیا ہے۔

(ج) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِزْقًا حَسَنًا طَیِّبًا وَاسِعًا مُبَارَكًا فِیْهِ

اے اللہ میں تجھ سے اچھے پاکیزہ، وسیع اور برکت والے رزق کا سوال کرتا ہوں۔

5- رَبِّ اِنِّیْ لِمَاانْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (۲۴۔القصص۔۲۸)

پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے میں اس کا محتاج ہوں۔

6- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ (الحدیث)

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل اور رحمت کی استدعا کرتا ہوں۔

۷۔ اَللّٰهُمَّ یَابَاسِطُ یَارَزَّاقُ یَامُغْنِیُ اِكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَنْ مَّنْ سِوَاكَ .

اے اللہ! میرے لیے اپنے حلال کو کافی بنادے اور حرام سے بچا اور اپنے فضل سے اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کردے۔

امداد طلب کرنا

۱. قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّمَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِكَ الْخَیْرُ ط

کہو، اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار

اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ o

میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تُو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں ۔ جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے۔

(۲۶۔۲۷۔آل عمران۔۳)

۲۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَاتَصِفُوْنَ

جو بات تم بنا رہے ہو اس میں اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

(۱۸۔یوسف۔۱۲)

درمیان میں وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَان............ ۱۱ دفعہ شروع اور آخر میں ایک ایک دفعہ پوری آیت۔

۳۔ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ

اے میرے ربّ ! اس فسادی قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

(۳۰۔العنکبوت۔۲۹)

۴۔ اَللّٰهُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَـــااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ .

اے اللہ! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی اور لوگوں کی تحقیر کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تُو کمزوروں کا رب ہے۔

(رحمۃ للعالمین بحوالہ طبری وابن ہشام)

۵۔ یَاقَاضِیَ الْحَاجَاتِ ط

اے حاجتیں پوری کرنے والے!

۶۔ وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ ......

سامنے جو پہاڑ تجھے نظر آتے ہیں تو انہیں بے حس و حرکت خیال کرتا ہے اور وہ ....۔

(۸۸۔النمل۔۲۷)

دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے یہ خاص وظیفہ ہے۔ پوری آیت کے نتائج کچھ اور ہوتے ہیں اور آدھی آیت کے نتائج بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اگر آیت کے دونوں حصوں کا الگ الگ وظیفہ کیا جائے تو ایک تیسری نوعیت کے نتائج سے سابقہ پیش آتا ہے۔ جن بزرگوں نے مجھے یہ وظیفہ بتایا تھا انھوں نے پوری آیت پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ دشمن کو زیر کرنے کے لیے آدھی آیت ہی کافی ہے۔ اس آیت کے اس حصے کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا دشمن بے دست و پا ہو جائے اور پہاڑ کی طرح جامد ہو کر ہمارا نقصان نہ کر سکے...... (صحیح علم اللہ کے پاس ہے)

۷۔ لَآاِلٰـهَ اِلَّآاَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۸۷۔الانبیاء۔۲۱)

(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

درج بالا آیت لاکھوں کے حساب سے پڑھنے کے بعد اللہ کی مدد مل جاتی ہے۔

۸۔ یَـاحَـیُّ یَاقَیُّوْمُ بِـرَحْـمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ ط فَلَا تَـکِـلْـنِـیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَعَیْنٍ ط وَاَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّهٗ

اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے اللہ! میں تیری رحمت کی استدعا کرتا ہوں۔ ایک لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور میری ہر حالت کی اصلاح کرنا۔

۹۔ رَبَّـنَـاافْتَـحْ بَیْـنَـنَـاوَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ (۸۹۔الاعراف۔۷)

اے اللہ! ہماری قوم اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

۱۰۔ رَبَّـنَـااٰتِنَافِی الدُّنْیَاحَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ (۲۰۱۔البقرہ۔۲)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ہدایت

۱. اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۶۔الفاتحہ۔۱)

ہمیں سیدھی راہ دکھا۔

۲. رَبَّنَالَاتُزِغْ قُلُوْبَنَابَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَاوَھَبْ لَنَامِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (۸۔آل عمران۔۳)

اے ہمارے پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کردیجیو۔ ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔

۳. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی وَالتَّوْفِیْقَ لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی، بے نیازی اور ہر اس کام کی توفیق کا سوال کرتا ہوں جو تجھے پسند ہو اور جس سے تو خوش ہوجائے۔

۴. اَللّٰھُمَّ اِھْدِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، یہ ایک جاہل قوم ہے۔

گم شدہ اشیا کی تلاش

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (۱۵۶۔البقرہ۔۲)

ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

امراض کا علاج

۱. بِسْمِ اللّٰہِ شَافِیْ بِسْمِ اللّٰہِ کَافِیْ

اللہ کے نام سے جو شفا دیتا ہے اللہ کے نام سے جو کافی ہے۔

۲۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَایَضُرُّمَعَ اسۡمِہٖ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَافِی السَّمَآءِ وَھُوَالسَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۔ (ابانؓ بن عثمان/ابوداؤد)

ابتدا اُس اللہ کے نام سے کہ جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

۳۔ اَذۡھِبِ الۡبَأۡسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشۡفِ اَنۡتَ شَافِیۡ لَاشِفَآءَ اِلَّاشِفَآئُکَ شِفَآءً لَّایُغَادِرُسَقَمًا ۔ (ام المؤمنین عائشہؓ /متفق علیہ)

اے لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو دور کردے اور شفا عطا کر کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر کہ جو اپنے پیچھے کوئی نقص نہ چھوڑے۔

۴۔ (رَبِّ) اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّوَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ (۸۳۔الانبیاء۔۲۱)

(اے اللہ!) میں تکلیف میں مبتلا ہوں اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۵۔ وَاِذَامَرِضۡتُ فَھُوَ یَشۡفِیۡنِ (۸۰۔الشعراء۔۲۶)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

۶۔ یَاشَافِیَ الۡاَمۡرَاضِ ۔

اے بیماریوں سے شفا دینے والے!

۷۔ نماز فجر کی سنتوں اور فرائض کے درمیانی وقفہ میں ۴۱ دفعہ سورۃ الفاتحہ پڑھیں اور پانی دم کر کے مریض کو پلائیں۔ ان شاء اللہ اکثر امراض کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

۸۔ بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ مِنۡ کُلِّ شَیۡئِیٍ یُّؤۡذِیۡکَ مِنۡ شَرِّکُلِّ نَفۡسٍ اَوۡعَیۡنِ حَاسِدٍ ۔ اَللّٰہُ یَشۡفِیۡکَ

میں تمہیں اللہ کا نام لے کر دم کرتا ہوں ہر اس چیز کے خلاف جو تجھے تکلیف دے اور ہر شخص کے شر اور حاسد کی نظر بد سے۔ اللہ تمہیں شفا دے۔

۹۔ وَیُشۡفٰی سَقِیۡمُنَا بِاِذۡنِ رَبِّنَا ۔

ہمارے بیمار کو ہمارے رب کے اذن سے شفا عطا کی جائے۔

نظر بد

اُعِیۡذُکَ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنۡ شَرِّ کُلِّ شَیۡطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَمِنۡ کُلِّ عَیۡنٍ لَّامَّۃٍ.	میں اللہ کے کلماتِ تامّہ کے ساتھ تمہیں ہر شیطان اور ہر ڈنگ مارنے والی چیز کے شر سے اور ہر نظر بد کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

جنات سے پناہ کے لیے

۱۔ سورۃ البقرہ کا آخری رکوع کثرت سے پڑھیں اور مریض کو بار بار پڑھ کر دم کرتے جائیں۔

۲. وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیۡنِ ○وَاَعُوۡذُبِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ (۹۷۔۹۸۔المومنون۔۲۳)	اور دعا کرو کہ اے میرے پروردگار! میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بلکہ اے میرے ربّ! میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

۳۔ باوضو رہیں اور پاکیزگیٔ افکار اور طہارتِ جسم و لباس کا خاص خیال رکھیں۔

۴۔ بُرے لوگوں اور گندے خیالات والے افراد سے میل جول کم کریں۔

جادو سے پناہ کے لیے

۱۔ رات باوضو سوئیں۔

۲۔ چاروں قل شریف پڑھ کر اپنے پورے جسم کو دم کر لیں کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳۔ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے جسم کو دم کر لیں اور چارپائی اور گھر کا حصار بنالیں۔

۴۔ یہ تمام پڑھ کر بچوں کے جسم پر بھی دم کر دیں۔

۵۔ اگر کوئی تعویذ یا کوئی مشکوک چیز ملے تو اسے بہتے پانی کی نہر میں، دریا میں یا صاف پانی کی نالی میں گرا دیں۔ مٹی یا اینٹ کی کنکریاں بہت نقصان دہ ہوتی ہیں ان کو بھی چن کر پانی میں پھینک دیں۔

۶۔ کوئی جادو سے متعلق خواب نظر آئے تو اسے راز میں رکھیں اور کسی اہل علم و تقویٰ سے مشورہ کریں۔

۷۔ سورۃ البقرہ ساری ۴۱ دفعہ پڑھ کر خود کو، اپنے گھر کے افراد کو اور سارے گھر کو دم کر لیں اور اگر مناسب ہو تو گھر، دوکان اور صحن کو اچھی طرح دھوئیں۔ موٹر سائیکل اور کار وغیرہ کو بھی دھو لینا مفید ہوتا ہے۔

۸۔ اگر کسی کپڑے پر خون کے چھینٹے پڑے نظر آئیں تو چاروں قل شریف پڑھ کر تازہ پانی سے کپڑا دھو لیں۔

۹۔ جادو کے دفاع کے لیے کسی جاہل شخص یا معلوم جادوگر کے پاس نہ جائیں کہ یہ لوگ مالی فوائد حاصل کرنے کے لیے اُلٹ پلٹ بھی کر دیتے ہیں۔ کسی قابل اعتماد آدمی سے مشورہ کرنا چاہیے۔

۱۰۔ قبرستان میں جا کر زیارت قبور کے جہاں اور بہت سے فوائد ہیں وہاں جادو سے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

۱۱۔ خیرات اور صدقہ کرنے سے بھی جادو سے فائدہ ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ اہل ذکر پر جادو کم اثر کرتا ہے۔ اگر کوئی تکلیف آ بھی جائے تو اس کا علاج جلدی ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسان بیمار ہو سکتا ہے اسی طرح نیک لوگوں پر جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔ ذکر سے غفلت شیطان کو حملہ کرنے کا موقع دے دیتی ہے۔

۱۳۔ اِنَّ اللّٰـہَ سَیُبۡطِلُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰـہَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ (۸۱۔ یونس۔۱۰)

اللہ یقیناً اسے مٹا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو سنوارتا نہیں۔

۱۴۔ وَأَلْقِ مَافِی یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَاصَنَعُوْا ط اِنَّمَاصَنَعُوْا کَیْدُسٰحِرٍ ط وَلَایُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ٥ (٦٩۔طٰہٰ۔۲۰)

اور ڈال دے جو تیرے ہاتھ میں ہے اسے ختم کر دے گا جو کچھ کہ یہ بنا کر لائے ہیں۔ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا خواہ وہ کسی شان سے آئے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ ہر روز نماز عشا کے بعد ۲۱ دفعہ خود پڑھیں اور اپنے آپ کو دم کریں اور اگر کوئی سحر زدہ شخص مل کر جائے تو اسے بھی ۲۱ دفعہ پڑھ کر دم کر دیں۔ البتہ جتنی کثرت سے آپ خود پڑھیں گے اسی نسبت سے اس کے دم میں تاثیر ہوگی۔ ۲۱ دفعہ ایک کم از کم حد ہے کثرت کی کوئی حد نہیں۔

لاوارث کے لیے

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿٨٩﴾

اے میرے ربّ تو مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے۔

(۸۹۔الانبیاء۔۲۱)

اگر کوئی مجبور انسان یہ آیت کریمہ بار بار پڑھے اور اسے وظیفہ ہی بنالے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کو صحت مند بنا دیتا ہے اور رشتہ داروں یا شاگردوں میں سے کوئی ایسا رحم دل انسان بھیج دیتا ہے جو بیماری اور بڑھاپے میں اچھا خدمت گار ثابت ہوتا ہے اور زندگی کے آخری لمحات میں وہ تنہا نہیں ہوتا۔

رَبِّ اجْعَلِ التَّوْفِیْقَ رَفِیْقَنَاوَالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ طَرِیْقَنَا. وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ط اَنْتَ وَلِیُّنَافِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنَامُسْلِمًاوَّاَلْحِقْنَابِالصّٰلِحِیْنَ

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍوَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

.... تَمَّتْ بِالْخَیْرِ ....